ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نَو

بلریاگنج

September - 1988

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

جلد نمبر ۳ —————— شمارہ نمبر ۹

ستمبر ۱۹۹۴ء

مدیر مسئول —————— نور محمد فلاحی

مرتب —————— ولی اللہ سعیدی فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زر تعاون	۳۰؍ روپئے
خصوصی تعاون	۱۰۰؍ روپئے
غیر ممالک سے	۱۵؍ امریکی ڈالر
فی شمارہ	۳؍ روپئے

پتہ ترسیل زر کا: دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج، اعظم گڑھ۔ یوپی ۲۷۶۱۲۱

افضل نعیمی پریس برائے جمال پریس دہلی —————— کتابت: رفیق احمد شاہ پوری

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

تعلیم فقط دین کی خدمت کے لئے ہو	مرتب	۳

بحث و نظر

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کی حکمت	خالد مسعود	۶

مقالات

سید قطب شہیدؒ کی قرآنی خدمات	عبداللہ فہد فلاحی	۱۹

عظمت کے مینار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	ابو جاوید	۱۲

تجزیہ

روسی نظام میں ٹوٹ پھوٹ	نعیم صدیقی	۲۴

تعلیم و تعلم

یاقوت اور معجم الادباء	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۳۰
ابن کثیرؒ اور "تفسیر القرآن الکریم"	عبدالبر اثری فلاحی	۴۲

تراجم و اقتباسات

ذرائع ابلاغ یہودیت کے پنجے میں	عبدالحمید عبدالرحیم اصلاحی	۴۹

شعر و نغمہ

غزلیں	ابوالمجاہد زاہد، عطا عابدی	۴۲
غزلیں	ممتاز اعظمی، سرفراز بزمی، عزیز بگھروی	۴۳-۵۲

تعارف و تبصرہ

سنبل و شبنم	محمد افتخار ندوی	۵۲

اخبارِ علمیہ

ایک تکنیکی ادارہ کا قیام	ادارہ	۵۵

حلقۂ یاراں

ابو نافع، ابوسفیان اصلاحی، محمد جندی		۵۶

جامعہ کے لیل و نہار

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ	مرتب	۶۰

اداریہ — مرتب

تعلیم فقط دین کی خدمت کے لئے ہو

یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ دورِ حاضر میں تعلیم کا حصول خصوصاً ترقی یافتہ ممالک کے لئے ضروریاتِ زندگی میں شمار ہونے لگا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے غیر ترقی یافتہ ممالک بھی تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کو اپنے ممالک میں عام کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں حتیٰ کہ نہایت پچھڑے ہوئے ممالک بھی اب تعلیم کا خاص اہتمام کر رہے ہیں اور ملک گیر پیمانے پر اس راہ میں پیش آنے والی دشواریوں کو دور کرنے، بہتر سے بہتر سہولیات مہیا کرنے اور تعلیم کا بہترین نظام قائم کرنے پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ تعلیم پر اتنی توجہ کیوں دی جا رہی ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟

اس کے دو مقاصد بیان کئے جاتے ہیں، پہلا مقصد یہ ہے کہ آدمی تہذیب و سلیقہ کے زیور سے آراستہ ہو جائے دوسرے الفاظ میں یہ کہ آدمی UNCIVILISED سے CIVILISED ہو جائے۔ پست اقوام اور نہایت پچھڑے ہوئے لوگوں کے لئے اسی مقصد کے پیش نظر تعلیمی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں اور ان کے یہاں باقاعدہ تعلیمی اداروں کا نظم کیا جاتا ہے۔ یہ مقصد صرف پچھڑے ہوئے علاقوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ متوسط قسم کے افراد کیلئے بھی ہے کہ بچہ تعلیم حاصل کرے، معاشرہ میں بولنے بات کرنے کے لائق ہو، اور سوجھ بوجھ رکھنے والا ایک اچھا شہری بن جائے۔

دوسرا مقصد حصولِ معاش ہے۔ یعنی تعلیم حاصل کرنے کا واحد مقصد روزی حاصل کرنا ہے۔ دورِ حاضر میں ۹۵ فیصد افراد اسی مقصد کے پیچھے دیوانہ ہیں۔ ان کا گول صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ فلاں ڈگری لے کر فلاں پوسٹ حاصل کرنا ہے تاکہ معاشی حالت خوب سے خوب تر ہو سکے۔

اسلام کا نظریہ اسکے برعکس ہے، اسکے نزدیک تعلیم کا مقصد خدا کے وجود اور اسکی وحدانیت پر حد درجہ یقین لانے کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت کرنا، مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچانا اور مالکِ حقیقی کی مرضی حاصل

حصولِ معاش کی بے تحاشا فکر ہمارے بعض دینی علوم حاصل کرنے والوں کو بھی دامنگیر ہو گئی ہے۔۱؎ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ نتیجۃً انھوں نے حصولِ معاش کو اس عظیم مقصد پر ترجیح دے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو بیش از بیش علم حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ دینِ اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ واللّٰہ ولی التوفیق۔

۱؎ ملاحظہ فرمائیے: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ حصہ اوّل ص ۳۸۶

ایک ضروری تصحیح

مجلہ "حیاتِ نو" شمارہ اگست کے صفحہ ۲۷ سطر ۱۲ میں عبارت "تعلیم عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں علم حاصل کرنا" شائع ہوئی ہے۔ صحیح عبارت یوں ہے:

"تعلیم" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو زبان میں اس کے معنی ہیں علم حاصل کرنا"

قارئین کرام تصحیح فرما لیں۔

کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی علم جو اس مقصد کے تحت حاصل کیا جائے کہ اس کے ذریعہ دین کی خدمت ہو اور اسلام کا پیغام عام ہو کر اس کے نزدیک اس مقصد کے پیشِ نظر حاصل کیا جانے والا کوئی بھی علم مبغوض نہیں۔ اب رہا مسئلہ معاش کا، تو معاش کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔۱؎ ہمارا کام معاش کے لئے صرف کوشش کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوا کہ ہم اپنی ساری کوشش معاش پر لگا دیں اور اس کو اولیت دیں اور اپنے مقصدِ اعلیٰ کو ثانوی حیثیت دے دیں۔

تعلیم کے اس اسلامی مقصد کے حصول کے لئے دنیا میں چند جگہوں پر کوششیں ہو رہی ہیں لیکن موجودہ سیکولر ذہن کے مقابلے میں ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں مزید ترقی دے، آمین۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں چند ایسے پرائیویٹ اسلامی ادارے ہیں جو اس عظیم مقصد کو لے کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں جنھوں نے اپنے مقاصد میں باقاعدہ یہ شامل کر رکھا ہے کہ اسلام کے فروغ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا حصول بھی ضروری ہے تاکہ باطل نظریات اور ان کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوتے ہوئے اسلام کی تعلیمات ان تک پہنچا سکیں اور اسلام کے مقابلے میں ان کی جانب سے آنے والے چیلنجز کا منھ توڑ جواب دے سکیں جس سے لوگ اسلام، اس کے مزاج اور اس کی تعلیمات سے واقف ہوں اور اس کے قریب آئیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے اداروں کی خدمات قبول فرمائے اور انھیں زیادہ سے زیادہ ترقی عطا کرے۔ آمین۔

۱؎ بخاری شریف میں عبد اللہؓ (ابن مسعود) سے مروی ہے جس کا مفہوم ہے کہ جب بچہ ماں کے شکم میں ایک سو بیس دن کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے کہ جاؤ چار چیزیں لکھ دو اس کو روزی کہاں سے ملے گی، اس کی عمر کتنی ہوگی، نیک بخت ہوگا یا خوش بخت۔

ملاحظہ ہو: بخاری شریف جلد دوم، کتاب القدر ص ۹۷۵-۹۷۶

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کی حکمت

خالد مسعود

قرآن مجید کا آغاز اگرچہ سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک اس سورہ کی حیثیت بندے کی زبان سے ایک دعا کی ہے جس کے جواب میں اللہ رب العلمین نے قرآن مجید کی تعلیم فرمائی جس کی پہلی سورہ البقرہ ہے۔ اس سورہ میں قرآن مجید کو ایک آسمانی کتاب کی حیثیت سے متعارف کرانے اور اس کے نزول کی ضرورت بیان کرنے کے بعد اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ دعوت اگرچہ عام ہے لیکن بنظر غائر دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید نے خاص طور پر یہود کو خطاب کر کے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ اس کے ذیل میں ان کے ساتھ بحث جو چھیڑی ہے تو تقریباً ایک سو آیات تک یہ بحث ختم ہونے میں نہیں آتی۔ قرآن کے ایک طالب علم کے ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ آخر پہلی ہی سورہ میں یہود کو کیوں مخاطب کیا گیا، ان کی تاریخ کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد کیا ہے، بحیثیت گروہ ان کو کیوں ملعون کیا گیا اور اس ساری بحث کا مدعا کیا ہے؟

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ پہلی آسمانی کتاب ہے بلکہ وہ یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ دین شروع سے ایک ہی رہا ہے اور وہ اسلام ہے۔ خدا کے پیغمبر ہر دور میں اسی کو پھیلاتے رہے۔ آسمانی شریعت درجہ بدرجہ مختلف امتوں کے حوالے کی گئی اور جب ان امتوں نے اس میں بگاڑ پیدا کیا خدا نے اس بگاڑ کی اصلاح کا اہتمام فرمایا۔ اس حقیقت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آسمانی کتابیں پہلے بھی نازل ہوتی رہی ہوں اور ان میں ترمیم و تنسیخ بھی ہوتی رہی ہو۔ لہٰذا قرآن مجید آسمانی کتابوں کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ قرآن مجید کے اس دعویٰ کے نتیجہ میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو منوانے سے پہلے اپنے نزول کا جواز فراہم کرے اور اس قوم کی نااہلیت کو واضح کرے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ پہلے سے آسمانی ہدایت کی حامل اور بنی نوع انسان کی تعلیم

مامور ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہی قوم کی حیثیت عرفی قائم رہتی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید نے اپنی پہلی ہی سورہ میں یہود کو خدا کی دی ہوئی امانت کے خائن اور بدعہد ثابت کر کے یہ اعلان کیا ہے کہ اب اس قوم سے یہ امانت واپس لے کر دوسری قوم کے حوالے کی جا رہی ہے اور یہود اب اپنے منصب سے معزول قرار دے دیئے گئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانے سے قریب العہد قوم تو نصاریٰ کی تھی اس لحاظ سے وہ اس لائق تھے کہ قرآن ان کو مخاطب کرتا اور ان کو امامت اقوام کے منصب سے معزول کرنے کا اعلان کرتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نصاریٰ اسلام سے قبل آخری مذہب کے حامل تصور کئے جاتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ جس آسمانی شریعت کے ماننے والے ہیں وہ وہی ہے جس کے اصل حامل یہود ہیں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن مجید نے رسولاً الی بنی اسرائیل (بنی اسرائیل کی طرف رسول) فرمایا ہے۔ یعنی آپ بنی اسرائیل ہی کی طرف بھیجے گئے رسولوں کے سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔ موجودہ انجیلیں بھی اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف یہودیوں کی اصلاح سے دلچسپی تھی۔ آپ برملا کہتے تھے کہ مجھے اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (متی ۱۵: ۲۴) آپ نے اپنے حواریوں کو تبلیغ کے مشن پر روانہ کیا تو انہیں خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ میری تعلیم اسرائیلیوں کے لئے ہے۔ اسے غیر اسرائیلی لوگوں کے آگے نہ پیش کرنا۔ (متی ۱۰: ۵، ۶) آپ کی شفا بخشی بھی یہود کے لئے خاص تھی۔ آپ نے ایک اسرائیلی عورت کو تو سبت کے دن بھی شفا دی لیکن ایک کنعانی لڑکی کو شفا دینے سے مسلسل انکار کرتے رہے کیونکہ وہ اسرائیلی نہ تھی۔ پھر اس کی ماں کے بے حد اصرار کے بعد اس کو دعا دینے پر آمادہ ہوئے۔ آپ کی شریعت تورات ہی کی شریعت تھی۔ آپ نے مختلف مواقع پر اس کے احکام کی روح کو واضح فرمایا لیکن اس کے احکام کو منسوخ یا تبدیل کرنے کی سعی نہیں فرمائی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے اصل حامل شریعت گروہ یہود ہی کا تھا۔ نصاریٰ انہی کے حاشیہ بردار اور خوشہ چین تھے۔ لہٰذا قرآن مجید نے جب نئی شریعت دینے کا فیصلہ کیا تو سابقہ شریعت کو کالعدم قرار دینے کے لئے پہلے یہود کے جرائم پر سے پردہ اٹھانا ضروری سمجھا اور نصاریٰ کو ان کے تابع رکھا جیسا کہ ان کی واقعی حیثیت تھی۔

یہود کی تاریخ نہایت طویل ہے اس گروہ کی اپنی خصوصیات رہی ہیں اور خود ان کے ان صحیفوں میں جو اس وقت عہد نامہ عتیق کا حصہ ہیں، ان کے کردار کے برے پہلوؤں پر انبیاء کی زبان سے نہایت سخت تنقیدیں موجود ہیں۔ یہ گروہ ہمیشہ اس زعم میں مبتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اقوام عالم میں ایک خاص مقام دے رکھا ہے۔ ان کو جو عزت دی گئی وہ ان کے اولاد اسرائیل ہونے کی بنا پر دی گئی۔ چنانچہ یہ خداوند کی ایک منتخب قوم ہیں۔ ان کے ساتھ خداوند نے خود میثاق باندھا ہے لہٰذا ان کے لئے آتش دوزخ کا دائمی عذاب نہیں ہے۔ اس زعم میں یہ نہ صرف قدیم زمانے میں مبتلا رہے ہیں بلکہ عقلیت کے اس دور میں بھی ان کے اندر یہی مذہبی شعور موجود ہے۔ یہودیت کا ایک پروفیسر ڈاکٹر ایپسٹن جو خود بھی یہودی ہے، اپنی کتاب "یہودیت" میں لکھتا ہے:

"روایتی طور پر یہودیت نے اپنے آپ کو ایک مذہب نہیں سمجھا بلکہ اس کی نظر میں یہ ان تعلیمات اور احکام کا مجموعہ ہے جو خداوند اور اسرائیل کے میثاق کے تعلق کا نتیجہ ہیں..... موجودہ دور میں روایتی یہودیوں کے اندر یہودیت کو ایک مذہب قرار دینے کے خلاف خاصی مزاحمت پائی جاتی ہے۔ اس کو وہ اپنی حیثیت سے فروتر سمجھتے ہیں۔ وہ یہودیت کو عیسائیت، اسلام یا بدھ مت کی قسم کا مذہب نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک اس کی حیثیت منفرد ہے۔ یہ اپنی طرز کا واحد طرز زندگی ہے جس میں اسرائیل کے ساتھ خداوند کے عہد کے ذریعے خدا کی وحی تعلیم ہوتی ہے۔" (ص)

مصنف کے مطابق یہود کے اس نظریہ میں ۷۰ء میں یروشلم کی تباہی کے بعد سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں چھٹی صدی عیسوی میں قرآن کے نزول کے وقت بھی یہود کے خیالات یہی تھے۔

دور حاضر کا ایک مورخ ڈاکٹر رافیل پٹائی اپنی ضخیم کتاب "یہودی ذہن" میں اس بات کی تحقیق کرتے ہوئے کہ یہودی ذہن کے مرکز میں کون سا شعور ہے جو یہودیوں کو غیر یہودیوں سے ممتاز کر دیتا ہے، جہاں دوسری خصوصیات بیان کرتا ہے وہاں خداوند اور اسرائیل کے درمیان ایک خصوصی تعلق پر ایمان کو بھی ایک ایسی خصوصیت قرار دیتا ہے جس نے یہود کو ہر زمانے اور ہر علاقے میں ہمیشہ گرمائے رکھا اور اسی کے سبب سے انھوں نے غیر یہودیوں سے ہمیشہ اپنے کو ممتاز سمجھا۔

گویا بائبل کے زمانے سے لے کر آج کے دور تک یہود اس خوش گمانی میں مبتلا رہے ہیں کہ ان کی

حیثیت اقوام عالم کے مقابلہ میں بالکل جداگانہ ہے۔ خدا کو اسرائیل کے گھرانے سے خاص محبت ہے کیونکہ اسرائیل عیال اللہ ہیں۔ اس محبت کے باعث خدا نے بنی اسرائیل کو اپنی خدمت کے لئے خاص کر لیا ہے اور اس نے ان کے ساتھ میثاق باندھا ہے جس کی رو سے وہ ہمیشہ اس کے احکام کے محافظ رہیں گے اور وہ ان کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے نہیں ڈالے گا۔ خدا اگرچہ تمام دنیا کا خالق و مالک بھی ہے لیکن چونکہ اس کا میثاق صرف اسرائیل کے گھرانے کے ساتھ ہے اس لئے دوسری کوئی قوم خدا کے ساتھ اس طرح کا تعلق نہیں رکھ سکتی جو تعلق خدا کا بنی اسرائیل کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدے کی رو سے نہ یہود کی شریعت کالعدم ہو سکتی اور نہ کوئی دوسری قوم یہ حق حاصل کر سکتی کہ وہ خدائی ہدایت کی حامل بن کر ابھرے اور یہود کی جگہ لے لے۔ قرآن مجید نے جب نئی شریعت دینے کا ارادہ کیا تو پہلے یہود کے اس عقیدے کو باطل کیا۔

سورۂ بقرہ یہود کے اس عقیدے پر ضرب کاری لگاتی ہے اور ان کے ہر ہر عقیدے کی قلعی کھولتی ہے۔ اس نے یہ واضح کیا ہے کہ یہود کا اقوام عالم میں سے انتخاب اسرائیل کے گھرانے سے کسی خاص محبت کی بدولت نہ تھا بلکہ ایمان و عمل صالح کی بدولت تھا اور ہر قوم کے ساتھ جس کو شریعت کی امانت سونپی گئی خدا کا معاملہ اسی بنیاد پر ہوتا رہا ہے۔ اس میں یہود کو دوسری اقوام پر کوئی خاص ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اس سورہ نے میثاق کے تحت یہود کی ذمہ داریاں بتا کر یہ واضح کیا ہے کہ یہود ان کے ادا کرنے میں کس طرح ناکام ہوئے۔ پھر یہود کے اس گمان کی قلعی بھی کھولی ہے کہ خدا ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

سورہ بقرہ کی آیات ۴۰ تا ۴۳ میں یہود کو، ان کی مذہبی ذمہ داریاں یاد دلا کر قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے کہ یہ ان سے اس عہد کا تقاضا ہے جو انھوں نے خدا سے کر رکھا ہے اور اس کی خبر پہلے سے ان کو دے دی گئی تھی۔ یہود پر اس دعوت کا اثر نہ ہوا اور اس کے اسباب میں ان کی وہی خوش فہمیاں کارفرما تھیں جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ لہٰذا آیات ۴۷ تا ۶۲ میں یہ بیان کیا گیا کہ بلاشبہ اللہ کا بنی اسرائیل پر بڑا انعام ہوا۔ اس نے تمام اقوام پر ان کو فضیلت دی۔ اس نے ان کو طاقتور دشمن سے اپنے فضل و رحمت سے نجات دی۔ حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں انھوں نے بچھڑے کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی تو خدا نے اس شرک سے بھی ان کی توبہ کو قبول کر لیا اور ان کو آسمانی شریعت

ہمیشہ کی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ ان آیات میں یہ بھی بتایا ہے کہ یہود نے حقوق اللہ و حقوق العباد میں سے ہر میثاق کو توڑا اور عہد کی خلاف ورزی ان کی عادت ثانیہ بن گئی۔ اپنی مرضی کی توجیہات کر کے عہد کو توڑتے۔ قرآن نے اس کی مثال میں یہ بتایا ہے کہ اپنے ہی بھائی بندوں پر چڑھائی کرتے، ان کو قتل کرتے اور پھر جو بچ جاتے انہیں فدیہ دے کر چھوڑ دیتے تاکہ نیکی کا بھرم قائم رہے۔ خدا نے ان کو عہد کی یاد دہانی کیلئے پے در پے نبی بھیجے اور بالآخر حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے بار بار تکبر سے کام لیا اور رسولوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس عادت کا مظاہرہ وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں کرنا چاہتے ہیں۔

آیت ۹۱ سے آگے قرآن مجید نے یہود کے ان وسوسوں کا جائزہ لیا ہے جو وہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنے صاحب ایمان اور حامل کتاب گروہ ہونے کی حیثیت کے بارے میں ڈالا کرتے تھے۔ یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا صاحب ایمان ہونے کا دعویٰ معتبر ہے، نہ حامل کتاب ہونے کا دعویٰ۔ یہ کتاب الٰہی پر سحر و ساحری کو فوقیت دینے والے لوگ ہیں۔ ان کو کتاب اسے کہ خدا نے اپنے ہاتھ باندھ نہیں لئے ہیں کہ اب وہ کوئی نئی کتاب کسی کو نہ دیگا۔ اہل کتاب کے لئے نجات کے خاص ہونے کا عقیدہ ان کا خود ساختہ ہے اور اس کا پروپیگنڈہ یہ صرف لوگوں کو اسلام کی راہ سے روکنے کیلئے کرتے ہیں۔ اس گروہ کے گناہ بہت بڑے ہیں۔ انھوں نے کجروی کے باعث عبادت گاہوں کی حرمت کو بھی محفوظ نہیں رہنے دیا اور توحید کی تعلیم میں بھی انھوں نے شرک کی آمیزش کر دی ہے۔ یہ کسی طور پر اپنے منصب پر قائم رہنے کے حقدار نہیں ہیں۔ آیت ۱۲۲ میں بنی اسرائیل کو پھر سے خطاب کر کے انکی نعمتوں والی آیت کی تکرار یاد دلائی ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ کئے گئے عہد کی بنیاد بھی کردار پر رکھی گئی تھی اور یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ یہ عہد اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والی اولاد پر عہد اولاد کیلئے نہ ہوگا۔ اولاد ابراہیمؑ میں حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں میں جس عہد کا چرچا رہا وہ یہودیت و نصرانیت نہیں بلکہ توحید خالص پر چلنے کا عہد تھا لہٰذا اب یہود و نصاریٰ کی خواہشات کے علی الرغم امت مسلمہ اسی قبلہ ابراہیمی ملت پر مبعوث کی جا رہی ہے اور اہل کتاب کے تمام دعووں کو کالعدم کیا جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ کے زیر نظر حصے کے مضامین کا یہ تجزیہ واضح کرتا ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرنے میں گہری حکمت ہے۔ جو بحث اٹھائی گئی ہے اس کے قرآن مجید کے آغاز ہی میں اٹھانے کی ضرورت تھی اور اس بحث میں جن پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے ان سے نہ صرف یہود کا دعویٰ کالعدم ہو جاتا ہے بلکہ ان سے وہ سنت الٰہی سامنے آتی ہے جو منصب امامت پر سرفراز ہونے والی قوم کے بارے میں ہے اس کی روشنی میں امت مسلمہ اپنا محاسبہ کر سکتی اور یہود کے سے انجام سے بچ سکتی ہے۔ ٭٭

(بشکریہ "[illegible]" ۔ جولائی ۱۹۷۸ء ، لاہور)

عطا فرمائی۔ خدا نے ان کو پے در پے نعمتوں سے نوازا تاکہ ان کے اندر شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوں لیکن ان کے اس انتخاب کا یہ مفہوم کبھی نہیں رہا کہ خدا کو ان سے کوئی گروہی محبت تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کی کوتاہیوں کو وہ نظر انداز کرتا رہتا لیکن وہ تو برابر ان کی نافرمانیوں کی سزا دیتا رہا۔ ان کی نافرمانیوں پر ان پر آسمانی عذاب بھی آیا، شرارتوں پر ان سے نعمت نامی بھی ہوئی اور وہ خدا کے غضب کے مستحق قرار دیئے گئے۔ خدا جب کسی قوم کا انتخاب کرتا ہے تو وہ اس کے نسب کی بنا پر نہیں کرتا بلکہ ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر کرتا ہے۔ وہ تنہا یہود ہی اس بنیاد پر منتخب نہیں ہوئے بلکہ مسلمان، یہود، نصاریٰ، صابی سبھی اپنے اپنے زمانوں میں اس فضیلت کے مستحق قرار پائے اور سب کے لئے معیار یکساں رہا ہے۔ لہٰذا یہود اپنے دماغ سے اقوام عالم پر برتری کا کیڑا نکال لیں۔

آیات ۶۳ تا ۹۱ میں یہود کے اس دعویٰ کو رد کیا گیا ہے کہ خدا کا ان کے ساتھ ایک ایسا عہد ہو چکا ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہنے والا ہے۔ ان آیات میں یہ واضح کیا ہے کہ خدا نے شریعت کی پابندی کا بنی اسرائیل سے عہد لیا لیکن اپنی تاریخ میں انھوں نے اس عہد کو پامال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور چونکہ کوئی معاہدہ یک طرفہ طور پر نافذ نہیں ہوتا اس لئے خدا نے عہد کی خلاف ورزی پر یہود کو سزا دی۔ سبت کی پابندیوں کو توڑنے والی بستی عبرتناک انجام سے دوچار ہوئی۔ میثاق پر عمل کرنے میں یہود کس طرح لیت و لعل سے کام لیتے رہے اس کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کا حوالہ دیا ہے جس میں انھوں نے یہود کو ایک گائے ذبح کرنے کو کہا تاکہ وہ اس پر قاتل کا سراغ لگانے کے لئے گوشت سے مقتول کو لگا سکیں۔ ایک سیدھے حکم پر فوراً عمل کرنے کے بجائے سرپھروں نے سوالات کر کر کے اس کو ایک چیستان بنا ڈالا۔ اس طرح کے رویے نے شریعت کے معاملہ میں یہود کے دل سخت کر دیئے اور یہ واضح احکام میں اپنی مرضی کی تحریف کے مرتکب ہوئے۔ انھوں نے اپنے لئے من پسند مستقبل کے خواب دیکھے اور ایسے ایسے عقیدے گھڑ لئے جن کا خدائی ہدایت سے کوئی دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ اسی ضمن میں ان کا یہ عقیدہ بھی آتا ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو بس چند روز کے لئے چھو سکتی ہے ہمیشہ کے لئے نہیں۔ قرآن نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر یہ عقیدہ خدا کے عہد میں لکھا ہوا ہے تو یہود اس کو پیش کریں۔ خدا کی معروف سنت یہ ہے کہ گناہوں میں گھر جانے والے شخص کے لئے ہمیشہ کی دوزخ ہوگی جبکہ ایمان و عمل صالح کے ساتھ آدمی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا ——— ترجمانی: ابو جاوید

اس وقت وہ ایک کم سن اور قریب بلوغ لڑکے تھے۔ وہ روزانہ مکے کے ایک رئیس عقبہ ابن معیط کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لئے انسانی آبادی سے دور مکے کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔ ان کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام مسعود تھا لیکن عام طور سے لوگ انہیں "ابن ام عبد" کہہ کر پکارتے تھے۔

کم سن عبداللہ، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں اکثر سنا کرتا تھا جو قریش میں اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے، مگر ایک تو اپنی کم عمری اور دوسرے آبادی سے دور، انسانی سوسائٹی سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے ان پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر پاتا تھا۔ اس کا روز کا یہ معمول تھا کہ صبح منہ اندھیرے عقبہ ابن معیط کی بکریاں لے کر نکل جاتا اور اس وقت واپس ہوتا جب رات کی تاریکی پورے طور پر فضا کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیتی تھی۔

ایک روز عبداللہ بن مسعود نے دور فاصلے پر ادھیڑ عمر کے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جو تکان سے چور اور تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور شدت تشنگی کے باعث ان کے ہونٹ اور حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے، وہ دونوں اس کے قریب پہنچ کر رک گئے، اسے سلام کیا اور بولے:

"لڑکے! ہمارے لئے ان بکریوں کا دودھ دوہ دو جس سے ہم اپنی پیاس بجھا سکیں اور اپنی رگوں کو تر کر سکیں"

"میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ میں ان بکریوں کا دودھ آپ کو نہیں پیش کر سکتا کیونکہ یہ میری نہیں ہیں بلکہ میرے پاس امانت میں ہیں۔ میں ان کا مالک نہیں، امین ہوں۔"

لڑکے کا جواب سن کر ان دونوں نے کسی قسم کی ناگواری یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے

چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس کے جواب کو پسند کیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے کہا: "اچھا کسی ایسی بکری کی نشاندہی کرو جس نے کبھی بچہ نہ دیا ہو"۔ لڑکے نے اپنے قریب ہی کھڑی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ آدمی اس کے قریب گیا۔ اسے پکڑا اور اللہ کا نام لے کر اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لڑکے نے اس کو حیرت کے ساتھ دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسی بکریاں جو کبھی گابھن نہ ہوئی ہوں، دودھ دینے لگیں۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بکری کا تھن پھول کر بڑا ہو گیا اور اس میں سے تیزی کے ساتھ دودھ بہنے لگا۔ دوسرے آدمی نے زمین پر پڑا ہوا ایک پیالہ نما گہرا سا پتھر اٹھا کر اسے دودھ سے بھر لیا پھر اس دودھ کو ان دونوں نے پیا اور لڑکے کو بھی پلایا۔ عبداللہ بن مسعود نے بتایا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے پیش آنے والے اس واقعہ پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب ہم سب لوگ اچھی طرح آسودہ ہو گئے تو اس بابرکت شخص نے بکری کے تھن سے کہا: "سکڑ جا" اور وہ سکڑتے سکڑتے اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ اس وقت میں نے اس بابرکت شخص سے کہا:

"وہ کلمات جو آپ نے ابھی کہے تھے، ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجئے۔" تو اس نے کہا:

"اَنْتَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ۔ تم ایک سکھائے پڑھائے لڑکے ہو۔"

یہ اسلام سے عبداللہ بن مسعود کی شناسائی کی کہانی کا آغاز تھا اور مبارک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ دونوں حضرات قریش کی شدید ایذا رسانی اور ابتلاء و آزمائش سے بچنے کے لئے اس روز مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل آئے تھے۔ لڑکے نے جس انداز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابو بکرؓ سے اپنی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار کیا، اس سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ بہت خوش ہوئے۔ اس کی احتیاط اور امانت داری کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے اندر خیر و فلاح کی علامات کو محسوس کر لیا۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن مسعود نے اسلام قبول کر لیا اور خود کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کرتے ہوئے اپنے آپ کو بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا اور اسی روز سے وہ سعادت مند اور خوش بخت لڑکا بکریوں کی گلہ بانی سے نکل کر سرور کائنات کی

خدمت میں منسلک ہوگیا، وہ ہر وقت سفر میں، حضر میں، گھر کے اندر اور گھر سے باہر سائے کی طرح آپؐ کے ساتھ ساتھ رہتے۔ جب آپؐ سو جاتے تو وہ آپؐ کو بیدار کرتے۔ جب آپؐ غسل کرتے تو وہ پردے کا انتظام کرتے، جب آپؐ باہر جانے کا ارادہ کرتے تو وہ آپؐ کو جوتے پہناتے، جب آپؐ گھر میں داخل ہوتے تو وہ جوتوں کو پائے مبارک سے نکالتے۔ وہ آپؐ کے عصا اور مسواک کی حفاظت کرتے اور جب آپؐ کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو وہ پہلے اس میں داخل ہوتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے قرب و تعلق کا یہ حال تھا کہ آپؐ نے انہیں ہر وقت اپنے گھر آنے اور اپنے تمام رازوں سے واقف رہنے کی اجازت دے رکھی تھی، اسی وجہ سے وہ "رازدانِ رسولؐ" کہے جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپ کے زیرِ تربیت پروان چڑھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کو آپؐ کے اخلاق و عادات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ خود کو آپ کی صفات سے متصف کر لیا اور ہر کام میں آپؐ کی پیروی کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب تر تھے۔ انھوں نے مدرسۂ نبوی سے علوم قرآن کو درس لیا، وہ صحابۂ کرام میں سب سے اچھے قاری، اس کے معانی کے سب سے بڑے رمز شناس اور شریعت الٰہی کے سب سے بڑے نکتہ داں تھے۔ ایک بار جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میدانِ عرفات میں وقوف فرمائے ہوئے تھے ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"امیر المؤمنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو قرآن میں دیکھے بغیر زبانی اس کا املا کراتا ہے۔" یہ سن کر انھوں نے خشمگیں لہجے میں پوچھا:

"تیرا برا ہو! کون ہے وہ شخص؟"

"عبداللہ بن مسعود" اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر بتدریج ان کے غصّے کا اثر زائل ہونے لگا، یہاں تک کہ وہ اپنی معمول اور نارمل حالت پر آگئے۔ پھر انھوں نے فرمایا:

"بخدا میں نہیں جانتا کہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص بھی اس کا حقدار ہے۔ اس کے متعلق میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں:

"ایک رات کا ذکر ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے یہاں تشریف فرما تھے۔ وہ دونوں حضرات مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے، اس مجلس میں میں بھی موجود تھا۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے۔ ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ چلے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ ہم اسے پہچان نہ سکے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کی قرأت سنتے رہے پھر ہماری طرف مڑتے ہوئے بولے:

من سرّہ ان یقرأ القرآن رطبا کما انزل فلیقرأہ علی قراءۃ ابن ام عبد۔ "جو شخص قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہئے کہ ابن ام عبد کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے۔" پھر جب عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسول اللہ کہتے جاتے سل تعطہ، سل تعطہ "مانگو دیا جائے گا، مانگو دیا جائے گا۔"

حضرت عمرؓ نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بخدا میں صبح سویرے ان کے پاس جا کر ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان کی دعا پر آمین کہنے کی خوشخبری سناؤں گا۔ اور جب سویرے ان کو خوشخبری دینے کے ارادے سے ان کے یہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکر مجھ سے پہلے ان کو یہ خوشخبری دے چکے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی خیر میں ابوبکر سے سبقت کی، ابوبکر نے ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑ دیا۔"

کتاب اللہ کے علم میں ابن مسعودؓ کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

"قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق کوئی شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو میں اس کے پاس پہنچ کر اس کے علم سے ضرور استفادہ کروں گا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا، اس میں ذرہ برابر مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ ایک مرتبہ اپنے سفر کے دوران ایک قافلے سے ملتے ہیں۔ رات اندھیری ہے، اس نے پورے قافلے کو تاریکی کے پردے میں چھپا رکھا ہے، اس قافلے میں ابن مسعود بھی ہیں، حضرت عمر ایک شخص سے کہتے ہیں کہ وہ پوچھے۔

"آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟"

ابن مسعودؓ: "فجِ عمیق سے۔"

حضرت عمرؓ: "اور کہاں کا ارادہ ہے؟"

ابن مسعودؓ: "بیت عتیق کا۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس قافلے میں کوئی صاحبِ علم ہے، اور انھوں نے اپنے آدمی سے کہا پوچھو۔

"قرآن کا کون سا حصہ سب سے عظیم ہے؟"

ابن مسعودؓ: "اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔ اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے۔ نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۵)

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ محکم ہے؟"

ابن مسعودؓ: "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ۔ اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔" (النحل: ۹۰)

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا ٹکڑا سب سے جامع ہے؟"

ابن مسعودؓ: فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال: ۷–۸)

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ خوف ناک ہے؟"

ابن مسعودؓ: "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب۔ من یعمل سوءا یجز بہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا۔ انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔" (النساء: ۱۲۳)

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ امید افزا ہے؟"

ابن مسعودؓ: "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا، ان اللہ ھو الغفور الرحیم۔ (اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور رحیم ہے۔" (الزمر: ۵۳)

حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ "کیا تم میں عبداللہ بن مسعودؓ ہیں؟" تو قافلہ والوں نے جواب دیا کہ "ہاں"۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف عالم، قاری اور عابد و زاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ بڑے عمیق النظر، دور اندیش اور زبردست مجاہد اور میدانِ کارزار میں پیکرِ جرأت و شجاعت بھی تھے۔ وہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مشرکین کے مجمع میں باآواز بلند قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایک روز مسلمان (جب وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے) مکہ میں اکٹھا ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ بخدا! ابھی تک قریش نے باآواز بلند کسی سے قرآن نہیں سنا۔ کون ہے جو ان کو سنا دے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: "میں انھیں قرآن سناؤں گا۔" صحابہؓ نے کہا "آپ اس کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کی پشت پر اس کے قبیلے کی طاقت ہو کہ اگر قریش اس کے ساتھ بری نیت سے پیش آئیں تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑا ہو۔" لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ "نہیں یہ کام مجھے ہی کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے مقابلے میں میری حمایت کرے گا۔" پھر وہ چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مقام ابراہیم کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت سردارانِ قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن کی تلاوت شروع کی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الرحمٰن۔ علم القرآن۔ خلق الانسان۔ علمہ البیان۔۔۔۔۔۔ (اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ نہایت مہربان (خدا) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔) (الرحمٰن: ۱–۵)

کتاب الٰہی کی آیات پڑھتے چلے گئے۔ آواز سن کر سردارانِ قریش بھی ادھر متوجہ ہوگئے اور بولے:

"یہ ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟ ...... ارے، اس کا ناس ہو۔ یہ تو اسی پیغام کا کوئی حصہ پڑھ رہا ہے جس کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، تیزی سے ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے۔ لیکن انھوں نے تلاوت کا سلسلہ منقطع نہیں کیا وہ برابر پڑھتے رہے اور وہیں جاکر رکے جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آگئے۔ اس وقت ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا: "آپ کے متعلق ہم کو اسی بات کا اندیشہ تھا۔" یہ سن کر انھوں نے کہا:

"بخدا یہ دشمنان خدا آج سے پہلے میری نظر میں اتنے ذلیل و بے وقعت نہ تھے اگر آپ لوگ چاہیں تو میں کل بھی ان کو اسی طرح قرآن سنا سکتا ہوں۔" لیکن ساتھیوں نے کہا: "نہیں بس اتنا کافی ہے۔ تم نے ان کو وہ چیز سنادی جس کا سننا انھیں گوارا نہیں ہے۔" ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ مزاج پرسی کے بعد انھوں نے دریافت کیا: "آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟"

بولے "اپنے گناہوں کی۔" پوچھا "کیا خواہش ہے؟" بولے "اپنے رب کی رحمت کی۔"

پوچھا "کیوں نہ میں آپ کے وظیفے کی ادائیگی کا حکم جاری کردوں جسکو لینے سے آپ نے پچھلے کئی سالوں سے انکار کردیا ہے؟" بولے "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

کہنے لگے "آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔"

بولے "کیا آپ کو میری بچیوں کے متعلق محتاجی کا اندیشہ ہے؟ میں نے انھیں ہر رات سورہ واقعہ پڑھنے کی ہدایت کردی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "من قرأ الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة۔ جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ فقر و فاقہ سے دوچار نہ ہوگا۔"

اور جب رات آئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس وقت ان کی زبان مبارک اللہ کے ذکر اور اس کی آیات بینات سے تر تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

قسط ۳

سید قطب شہیدؒ کی قرآنی خدمات

عبید اللہ فہد فلاحی ریسرچ اسکالر، شعبۂ سیاسیات — مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۳۔ اسرائیلیات سے مکمل اجتناب

مصنف نے ان موضوعات اور بے بنیاد روایات کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تعلیمات پر حرف آتا ہو۔ ہماری قدیم معروف و متداول تفاسیر رطب و یابس ہر طرح کی روایات سے بھری پڑی ہیں لیکن سید قطبؒ نے اس طرح کی چیزوں سے یکسر پہلو تہی کی ہے اور ان پر گفتگو کرکے وقت ضائع کرنا پسند نہیں کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ الم نشرح کی آیت (۲) ووضعنا عنك وزرك کی تفسیر کرتے وقت بعض مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ نبوت سے پہلے ایام جاہلیت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ قصور ایسے ہوگئے تھے جن کی فکر آپ کو سخت گراں گزر رہی تھی اور یہ آیت نازل کرکے اللہ نے آپ کو مطمئن کردیا کہ آپ کے وہ قصور ہم نے معاف کردیے۔ یہ تفسیر واضح طور پر غلط اور قرآن کے تصور عصمت انبیاء کے خلاف ہے۔ حضورؐ کی جاہلیت کی زندگی بھی اس قدر پاکیزہ اور صاف و شفاف تھی کہ قرآن میں مخالفین کے سامنے اس کو ایک چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار کو مخاطب کرکے یہ کہلوایا گیا تھا کہ فقد لبثت فيكم عمرا من قبله (یونس: ۱۶) "میں اس قرآن کو پیش کرنے سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں"۔ چنانچہ سید قطب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ یہاں قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے تمہارے بوجھ کو جو تمہاری پیٹھ کے لئے بڑا گراں بنا ہوا تھا، یہاں تک کہ وہ اس بوجھ کے ٹوٹی جا رہی تھی، تمہارے اوپر سے اتار دیا، اس طرح کہ تمہارا سینہ کھول دیا۔ تمہیں دعوت کی توفیق دی۔ تمہارے لئے دعوت حق کو آسان بنایا نیز وحی نازل کی جو حقیقت کو واضح کرنے کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ دعوت دین کو کس طرح دلوں میں سہولت و نرمی کے ساتھ اتارا جائے۔ اس طرح ہم نے تمہارے بوجھ کو ہلکا کر دیا بلکہ اسے اتار دیا۔ کیا تم اس بار گراں کے سلسلہ میں جو تمہاری

کمر توڑے دے رہا تھا اس حقیقت کو محسوس نہیں کرتے ؟ کیا تم شرح صدر کے بعد اپنے بوجھ کو ہلکا محسوس نہیں کرتے ؟ [۳۴]

اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہاں مصنف نے " وزر " کے معنی گناہ نہیں بلکہ بھاری بوجھ کے لئے ہیں اور اس سے مراد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ تڑپ اور کسک ہے جو دورِ جاہلیت میں انسانیت کی حالت دیکھ کر آپؐ محسوس کرتے تھے۔ یہی فکر آپؐ کی کمر توڑے دے رہی تھی جس کا بارِ گراں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ دکھا کر آپؐ کے دل سے اتار دیا اور قرآن کی رہنمائی نے آپ کا سارا بوجھ ہلکا کر دیا۔

۵۔ نظم و ربط کا التزام

بعض مفسرین نے ربط و نظام کے سلسلے میں اعتراض کیا ہے کہ قرآن کی سورتوں میں کوئی منضبط و مربوط وحدت نہیں ہے۔ کہیں نبی اور اصحابِ نبی پر گفتگو ہوتی ہے کہیں اقوام ماضیہ کی داستان دہرائی گئی ہے، کہیں احکام و شرائع کی تفصیلات ہیں اور کہیں اخلاقیات و عقائد کی تعلیم ہے۔ اس طرح پورے قرآن میں حسبِ ضرورت مختلف چیزوں کا نزول ہوا ہے اور انہیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ نہ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی تعلق ہے، نہ ایک سورہ کی مختلف آیات میں باہم کوئی مناسبت و موافقت ہے۔[۴۵] سید قطب نے ایک طرف اس فکر کو غلط قرار دیا ہے اور دوسری طرف آیات کی باہمی وحدت اور نظم کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔

یہاں سورۂ اسراء کی تفسیر کو سامنے پیش کیا جاسکتا ہے جس میں مصنف نے اس کے مختلف اجزاء و موضوعات میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ سورہ مکی ہے اس کی ابتدا خدا کی تسبیح سے ہوتی ہے اور خدا کی تحمید پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے (وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا) یہ سورہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے جن کا زیادہ حصہ عقیدہ سے متعلق ہے، اور بعض چیزیں انفرادی و اجتماعی آداب و قواعد سے تعلق رکھتی ہیں جن کا مدار عقیدہ ہی پر ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کے وہ واقعات بھی مذکور ہیں جو مسجد اقصیٰ سے متعلق ہیں۔ جس طرف یہ سفر طے کیا گیا تھا اور قصۂ آدم و ابلیس اور تکریمِ انسانی سے متعلق بھی ایک حصہ ہے لیکن سورہ کا مرکز و محور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کے تئیں قوم کا رویہ ہے۔ آپؐ جو قرآن لے کر آئے اس کا مزاج اور اس کی تعلیمات اور قوم کا طرزِ فکر و عمل اور اس کی مناسبت سے رسالت اور رسولوں کی طبیعت و مزاج، اور خوارق و معجزات سے ہٹ کر رسالت محمدیؐ کے اعجاز کی وجہ اور اس کے منکرین کا انجام، معاشرہ میں ضلالت و ہدایت الٰہی

کے اصول اور اجتماعی ذمہ داریوں کی تفصیلات یہ سب بیان کی گئی ہیں جب کہ اس قوم کے لئے معجزات کا دروازہ رسالت کے ذریعہ بند کر دیا گیا اور ان پر حجت تمام کر دی گئی لیکن سورہ کے سیاق میں خدا کی تسبیح تقدیس اور حمد و شکر کی تکرار خوب ہے۔ ابتدا ہی میں سبحٰن الذی اسریٰ کہہ کر خدا کی تسبیح کی گئی پھر بنی اسرائیل کو توحید کی تعلیم اس تذکیر کے ساتھ دی گئی کہ وہ ان مسلمانوں کی اولاد میں سے ہیں جنہیں اللہ نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کرایا تھا اور نوحؑ شکر گزار بندے تھے۔[۴۶] پھر مشرکین کے غلط عقائد و اوہام کا جہاں تذکرہ ہے وہاں خدا کی تسبیح کو بیان ہے اور یہ کہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں مگر وہ ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔[۴۷] جب نیک فطرت اہل کتاب کی اس روش کا تذکرہ ہوا ہے کہ وہ قرآن کی آیتیں سن کر سجدے میں گر جاتے ہیں تو ساتھ ہی پکار اٹھتے ہیں کہ " پاک ہے ہمارا رب ، اس کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا "[۴۸] اور سورہ کا خاتمہ اس آیت پر ہوتا ہے :

وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا (۱۱۱) (اور کہو تعریف ہے اس خدا کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو، اور اس کی بڑائی بیان کرو، کمال درجے کی بڑائی)

گویا مصنف کے نزدیک حمد و شکر کے جذبات اس سورہ میں موجزن ہیں۔[۴۹] اسی طرح مصنف نے پوری سورہ کو مربوط و منظم کر دیا ہے۔

۶۔ انقلاب آفریں تفسیر

اس تفسیر کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ قاری کو اسلامی انقلاب کے تمام مراحل میں ساتھ لئے چلتی ہے۔ قرآن خود کتاب انقلاب ہے یہ محض نظریات و خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ ڈرائنگ روم میں یا لائبریری میں بیٹھ کر پڑھیں اور اس کے معانی سمجھ جائیں بلکہ یہ ایک دعوت اور ایک تحریک کی کتاب ہے اور اس کتاب کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ خود کفر و اسلام کے معرکے کے سپاہی بنیں اور اس کشمکش کے تمام مراحل سے گزریں جن سے حاملِ قرآن صلے اللہ علیہ وسلم گزرے تھے۔ پھر آپ محسوس کریں گے کہ آپ پر براہ راست قرآن کا نزول ہو رہا ہے، پھر تو مکہ، حبش اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھ رہے ہوں گے اور بدر و احد سے لے کر حنین اور تبوک تک کے مراحل آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابوجہل اور ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا، منافقین اور یہود بھی

آپ کو ملیں گے۔ دوسرا شہیدِ اولین سے لے کر مولانا القلوب تک کسی بھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور بہت کچھ لیں گے۔ سید قطب دورِ جاہلیت میں بھی ادب کے بے باک اور جری ناقد تھے اور اخوان سے منسلک ہونے کے بعد بھی ان کی زبان، قلم اور تمام تر توانائیاں اسلام کے پیغام انقلاب کو عام کرنے میں لگی رہیں۔ ۱۹۵۴ء میں جب اخوان کو خلاف قانون قرار دے کر جیلوں میں بند کر دیا گیا تو مصنف نے بھی تین سال تک مختلف جیل خانوں کی وحشت ناک اذیتیں برداشت کیں۔ اس کے بعد جب حالات کی تبدیلی سے قید میں علمی مشاغل جاری رکھنے کی اجازت ملی تو فی ظلال القرآن کی تکمیل کی۔

دوبارہ جب گرفتار ہوئے تو معالم فی الطریق جیسی انقلابی تصنیف کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے۔ مصنف نے خود لکھا ہے کہ اس کتاب کے چار ابواب ان کی تفسیر سے ماخوذ ہیں: طبیعۃ المنہج القرآنی (قرآن کا طریقِ انقلاب) التصور الاسلامی والثقافۃ (اسلامی تصور اور ثقافت) الجہاد فی سبیل اللہ اور نشأۃ المجتمع المسلم وخصائصہ (مسلم معاشرہ کی خصوصیات اور اس کی تعمیر کا صحیح طریقہ)۔[۱۳]

اس طرح قرآن جیسی انقلابی کتاب کی تفسیر اس انقلابی شخصیت نے لکھی جو تحریکِ اسلامی کے مختلف مراحل سے خود گزر کر آیا تھا اور ان سارے تجربات، آزمائشوں، ایمان و عمل کے مختلف درجات اور انقلابِ اسلامی کے ناگزیر مراحل کو اس نے اپنی تفسیر میں سمو دیا۔ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات اور سارے انسانی مسائل کا واحد کامیاب حل ہے۔ اس نظریہ کو مصنف نے اپنی تفسیر میں بڑی عمدگی سے ادبی و بلاغی انداز میں پیش کیا ہے۔

سورہ والعصر کی تفسیر لکھتے وقت تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی تشریح میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ یہاں نقل کرنا سود مند ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ[۱۴] "تواصی" کے لفظ اس کے معنی، اس کی طبیعت اور اس کی حقیقت سے ایک امت یا جماعت کی تصویر ابھرتی ہے جو باہم مربوط و متحد اور ایک دوسرے کی کفیل ہے اجیرامت ہے۔ حق کو غالب کرنے والی اور اس کی محافظ ہے۔ زمین میں حق، عدل اور خیر کو قائم کرنے والی ہے۔ یہ ہے خدا کی برگزیدہ امت کی اعلیٰ اور خالص صورت۔ تواصی بالحق ایک ضرورت ہے۔ حق پر قائم رہنا سخت دشوار ہے اور راہِ حق کے موانع اور عوائق ہوتے ہیں: نفس، مصلحت کی منطق، سماج کے تصورات، جابر و سرکش فرمانرواؤں کا جبر و استبداد، ورثائلوں اور ستم کیشوں کا ظلم و تشدد، یہ ہیں راہِ حق کے موانع و مشکلات۔

اور تواصی کا مطلب ہے یاددہانی، ہمت افزائی، نصب العین کے سلسلہ میں قریبی تعلق کا اظہار اور دینی اخوت۔ اور حق کے بارِ گراں کو اٹھانے کے عظیم اور مشکل کام میں تعاون اور اخوت۔ اس تواصی کے نتیجہ میں انفرادی مساعی کی مجموعی طاقت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

اسی طرح تواصی بالصبر بھی ایک ضرورت ہے۔ ایمان، عمل صالح اور حق و عدل کی علمبرداری پر استقامت فرد اور جماعت دونوں کے لئے دشوار ترین امر ہے۔ اس کے لئے صبر ناگزیر ہے۔ نفس سے جہاد پر صبر، دوسروں سے جہاد پر صبر، اذیتوں اور مشقتوں پر صبر، باطل اور شر کے انکسار و مقاومت پر صبر، راہِ حق کی درازی، مراحل کی تاخیر، نشانات راہ کے دھندلے پن اور منزلِ مقصود کی دوری پر صبر، یہ سب صبر ناگزیر ہیں۔

پھر مصنف نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حوالہ سے صحابہ کرام کی فتح و کامرانی کی تین صفات بتائی ہیں:[۱۵]

۱- ان کے پاس آسمانی کتاب اور الٰہی شریعت تھی اس لئے ان کو قیاس اور اپنی طرف سے قانون سازی کی ضرورت نہ تھی اور وہ جہالت و ناواقفیت اور روز روز کے قانونی رد و بدل اور ترمیم، جو خطرناک غلطیوں اور حق تلفیوں سے محفوظ تھے۔

۲- وہ حکومت و قیادت کے منصب پر مستحکم اخلاقی تربیت اور مکمل تہذیبِ نفس کے بعد فائز ہوئے تھے۔

۳- وہ عرب سے صرف اس لئے نکلے تھے کہ بندگانِ خدا کو اپنے جیسے تمام بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔

آخر میں مصنف نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کے جب دو افراد یکجا ہوتے تو وہ اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے جب تک سورہ والعصر ایک دوسرے کو سنا نہ دیتے۔ پھر وہ سلام کر کے ایک دوسرے سے رخصت ہوتے۔ اس طرح وہ خدائی دستور کی پابندی کا باہم عہد و پیمان کرتے جس کا اس سورہ میں ذکر ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا پیمان، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا عہد و پیمان۔ اس بات کا عہد و پیمان کہ وہ اس دستور کے پاسبان و محافظ رہیں گے۔ اس امر کا عہد و پیمان کہ وہ اس امت مسلمہ کا جزو لاینفک رہیں گے جو اس خدائی دستور پر قائم ہے۔

اس طرح سید قطب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی انجام دہی کے لئے ایک متحد امت اور ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے جس کے افراد اخوت و محبت اور تعاون و تعلق ان کے

جاہلیت سے سرشار ہوں گے۔

۷۔ جدید نظریات پر تنقید

تفسیر کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر کو قدیم مذاہب پر گہری نظر ہونے کے ساتھ جدید نظریات کی خامیوں سے بھی بھرپور واقفیت ہے۔ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے وقت قدیم و جدید مذاہب و نظریات پر تنقید بھی کرتے جاتے ہیں۔ وہ ان کی بے بسی اور وضاحت سے پردہ اٹھاتے ہیں تاکہ مسلم نوجوان اسلام کی قدر و قیمت پہچان سکے ہر چمکتی چیز کو سونا نہ سمجھ بیٹھے اور ہر نئی فکر پر لٹو نہ ہو جائے۔ مثلاً سورہ والعصر کی تفسیر میں وہ اس نکتہ پر گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں انسان معزز و محترم ہے اور اسی نظریہ پر ایمان رکھنے سے انسان کی ذات خود اس کی نگاہ میں بلند اور معزز ہوتی ہے۔ اس فکر کی وضاحت کے بعد وہ کہتے ہیں "اسی واسطے ڈارونیت، فرائڈیت اور مارکسیت کی تعلیمات وہ بدترین اور خبیث ترین چیزیں ہیں جن سے انسانی فطرت کو اور انسانی شعور کو سابقہ پیش آیا ہے۔ یہ تعلیمات انسان کو اس گمراہی اور کج فکری میں مبتلا کرتی ہیں کہ ہر پستی، ہر گندگی اور ہر رذالت فطری، طبعی اور متوقع امر ہے۔ یہ نہ کوئی انوکھی اور حیرتناک بات ہے اور نہ اس پر شرمانے کی کوئی ضرورت۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تعلیمات نوع انسانی کے سلسلے میں عظیم جرم کی حیثیت رکھتی ہیں اور شدید نفرت و تحقیر کی مستحق ہیں۔"[۶۵]

سورہ عبس کی تفسیر میں سید قطب اس اصول پر گفتگو کرتے ہیں کہ عوام کو قدریں اور پیمانے زمین سے نہیں آسمان سے وصول کرنا چاہیے۔ انھیں آسمانی وحی کی تعلیمات سے اخذ کیا جانا چاہیے نہ کہ زمینی طریقوں اور رجحانات سے۔ پھر وہ اسلام کے نظام عدل کا مثالی دور اور اس کی نمایاں خصوصیات پیش کرتے ہیں اور اسلامی معاشرہ کی خود کفالتی اور باہم تکافل و تعاون پر استوار معیشتی دنیا کی زندگی کی جھلکیاں دکھانے کے بعد آخر میں کہتے ہیں کہ "یہ آسمانی میزان طویل عرصہ تک زمین پر قائم رہی اور اس کے نتیجے میں اہل تقویٰ کو معاشرہ میں بلند و برتر مقام حاصل رہا خواہ وہ برتری کے زمینی معیارات کے لحاظ سے وہ کتنے ہی تہی دست و نیست رہے ہوں۔ لوگوں کے اپنے اور دوسروں کے جانچنے کے لئے یہی میزان فیصلہ کن رہی۔ یہ بالکل حال کی بات ہے کہ آسمانی میزان کا عمل زمین سے ختم ہو گیا کیونکہ "جاہلیت" کے طوفان نے زمین کے گوشہ گوشہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ آج امریکہ میں (جو مغرب کا امام ہے) انسان کی قدر و قیمت اور اس کے مقام کو اس کے بینک بیلنس کی بنیاد پر متعین کیا جاتا ہے اور روس میں، جو مشرق کا امام ہے اور جہاں دولت پرستی تقدم،

کمیونزم مسلط ہے، انسان کی قیمت، آلات سے بھی کم ہے۔ رہے مسلم ممالک، تو ان کا حال بھی ابتر ہے۔ "جاہلیت اولیٰ" جس کے استیصال کے لئے اسلام آیا تھا، ان ممالک پر پھر سے مسلط ہو گئی ہے۔ وہ نظریات اور نعرے، جنھیں اسلام نے کالعدم کر دیا تھا ان میں پھر سے ان کا چلن عام ہو گیا ہے، خدا کی میزان چھوڑ کر رکھ دی گئی ہے اور لوگ ان حقیر و پست جاہلی اقدار کی طرف پلٹ گئے ہیں جن کی کوئی نسبت ایمان و تقویٰ سے نہیں ہے۔ امید کی اب صرف ایک ہی کرن ہے اور وہ یہ کہ موجودہ دور کی اسلامی دعوت پوری انسانیت کو ایک بار پھر "جاہلیت" کے شکنجے سے نجات دلائے اور اس کے ہاتھوں سے اس طرح انسانیت کی نئی پیدائش ہو جس طرح دور اول میں ہوئی تھی۔"[۶۶]

کارل مارکس مذہب کو عوام کی افیون قرار دیتا ہے اور کہتا ہے مذہب ایک جال ہے جو معاشی استحصال کرنے والے طبقات نے غریب عوام اور مزدوروں کا استحصال کرنے اور انھیں زندگی بھر دھوکہ میں رکھنے کے لئے تیار کیا ہے تاکہ وہ ظلم و جبر کے خلاف مقابلہ کے لئے اٹھنے کے بجائے اسی نشہ میں بدمست رہیں، اور جنت کے "خیالی تصور" کو مقصود بنا کر اس دنیا میں عدل و انصاف کے قیام کے لئے جد و جہد نہ کر سکیں۔

سید قطب سورہ مطففین کی تشریح میں اس باطل نظریہ کی تردید اور اسلام کے صحیح موقف کی ترجمانی یوں کرتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام انسان کی واقعاتی زندگی اور اس کے تمام عملی حالات پر حاوی ہے اور انسانی زندگی کو اقدار اخلاق کی محکم و عمیق بنیادوں پر قائم کرتا، دین قیم کی یہی فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو ظلم اور معاملات میں اخلاق سے انحراف کی یہ روش گوارا نہ ہو سکی حالانکہ اجتماعی زندگی کی زمام ابھی اس کے ہاتھوں میں نہ آئی تھی کہ وہ قانون کی قوت اور حکومت کی طاقت کے بل بوتے پر شریعت الٰہی کے مطابق اجتماعی زندگی کی تنظیم و تشکیل کرنے کی پوزیشن میں ہوتا۔ اس کے باوجود اسلام نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے خلاف بانگ دہل اعلان جنگ کر دیا اور انھیں تباہی و بربادی کی دھمکی دی جبکہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے معمولی لوگ نہیں، مکہ کے سردار اور جاہ و اقتدار کے مالک لوگ تھے۔ وہ بت پرستی کے عقیدہ کے واسطے عوام کے ذہنوں اور روحوں پر تو اثر و اقتدار رکھتے ہی تھے ان کی اقتصادیات اور ان کی معاش کے مختلف پہلوؤں پر بھی ان کا تسلط تھا۔ اسلام نے علانیہ ان کی اس معاشی لوٹ کھسوٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جو اپنی قوم کے مستضعفین کے آگے مجبور تھے جو ان کے سامان اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت کرتے اور فریب دہی اور ذخیرہ اندوزی کے ناپاک طریقوں سے انھیں لوٹتے۔ یہ معاشی لٹیرے دینی اوہام کے

بنیاد پر اس وقت کے عوام پر غلبہ و اقتدار بھی رکھتے تھے لیکن اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی، وہ اس صدائے احتجاج کے ذریعہ جو اس کی ذات اور اس کے آسمانی طرزِ زندگی سے ابھر کر بلند ہوئی۔ استحصال کے مارے فریب خوردہ عوام کو ہوشیار و بیدار کیا۔ اس نے عوام کو سُلانے کا کام کبھی نہیں کیا۔ اس وقت بھی نہیں جب کہ وہ مکہ میں مجبور و محصور تھا اور مکہ کے ظالم و جابر سرداروں کی طاقت کا نشانہ بنا ہوا تھا جو بخل، دولت، جاہ و مرتبہ اور دین کی بنیاد پر سماج میں اثر و اقتدار رکھتے تھے۔" (ص ٨٦)

کسی بے منصف نے یہ واضح کر دیا کہ کارل مارکس کا یہ نظریہ دوسرے مذاہب کے تئیں ہو سکتا ہے درست ہو پر اس کا انطباق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مجبوری و محصوری کے دور میں بھی اس نے مذہبی استحصال کو چیلنج کیا تھا۔

(باقی آئندہ)

تعلیقات و حواشی

٣٣ چنانچہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں " ومعلوم ان المنقول فی التفسیر اکثرہ کالمنقول فی المغازی والملاحم ولهذا قال الامام احمد: ثلاثة امور لیس لها اسناد التفسیر والملاحم والمغازی۔ ویروی لیس لها اصل (مقدمة فی اصول التفسیر کویت ص ٥٨، ٥٩

(اور یہ بات معلوم ہے کہ تفسیر کے سلسلے میں جو روایات آتی ہیں ان میں سے بیشتر کی بالکل وہی کیفیت ہے جو مغازی اور ملاحم کی روایات کی ہے۔ اسی لئے امام احمد نے فرمایا ہے: "تین چیزیں ہیں جن کی سند کا کوئی اعتبار نہیں، تفسیر، ملاحم اور مغازی" اور ایک روایت ہے کہ ان کی کوئی اصل نہیں)

اسی طرح امام زرکشی فرماتے ہیں کہ "طالب التفسیر مآخذ کثیرة، امهاتها اربعة: الاول النقل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهذا هو الطراز الاول ولكن يجب الحذر من الضعيف فيه والموضوع فانه كثير وان سواد الاوراق سواد فی القلب قال المیمونی سمعت احمد بن حنبل یقول: ثلاث کتب لیس لها اصول: المغازی والملاحم والتفسیر (البرهان فی علوم القرآن ٢/١٥٦)

(قرآن پاک کی تفسیر کرنے والوں کے لئے بہت ماخذ ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم ماخذ چار ہیں: پہلا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہوئی روایات ہیں اور سب سے اولین بنیاد یہی ہے لیکن ان میں جو کمزور اور موضوع روایات ہیں ان سے پرہیز لازم ہے کیونکہ وہ بہت بڑی

تعداد میں ہیں اور اوراق کی سیاہی سے دل بھی سیاہ ہو جاتا ہے۔ میمونی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبلؒ کو فرماتے سنا: تین طرح کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں، مغازی، ملاحم اور تفسیر)

امام ابن تیمیہ ایک جگہ کھل کر لکھتے ہیں کہ: فان الكتب المصنفة فی التفسیر مشحونة بالغث والسمين والباطل الواضح والحق المبين والعلم اما نقل مصدق عن معصوم واما قول عليه دليل معلوم وما سوی ذلک فاما مزیف مردود واما موقوف لا یعلم انه بهرج ولا منقود وحاجة الامة ماسة الی فهم القرآن۔ مقدمة ص ٣٠ (تفسیر کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں رطب و یابس بھرا ہوا ہے۔ ان میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا حق ہونا بالکل واضح ہے اور ایسی باتیں بھی ہیں جن کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ علم اصلاً تو وہ ہے جو نبی معصومؐ سے صحیح صحیح منقول ہو، وہ بات ہے جس پر کوئی واضح دلیل ہو، اس کے علاوہ جو کچھ ہے یا تو وہ کھوٹا ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے یا اس قابل ہے کہ اس کے سلسلہ میں توقف کیا جائے کہ اس کے کھرے یا کھوٹے ہونے کا علم نہیں۔ امت کے لئے قرآن کا فہم ناگزیر ہے)

٣٤ فی ظلال القرآن ([illegible]) ٣٠/١٩٠

٣٥ نظم قرآن کی مخالفت کرنے والوں میں علامہ شوکانی پیش پیش ہیں۔ علامہ کے خیال میں "وہ وقائع جو نزول قرآن کے مقتضی ہوئے وہ یکساں نہ تھے وہ تو باہم متناقض ہیں۔ مثلاً ایک چیز حلال تھی اسے حرام کر دیا گیا یا حرام کو حلال کر دیا گیا یا ایک شخص یا اشخاص کے حق میں ایک بات ثابت ہوگئی پھر اس کے برعکس ان کے حق میں دوسری بات قرار پائی۔ کبھی گفتگو مسلمانوں کے متعلق ہو رہی ہے کبھی کافروں کے متعلق۔ کبھی گزرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کبھی حال کے لوگوں کا۔ کبھی گفتگو عبادت پر ہو رہی ہے اور کبھی معاملات پر۔ کبھی ترغیب ہے تو کہیں ترہیب۔ کبھی خوش خبری دی جا رہی ہے تو کبھی انذار ہو رہا ہے۔ کہیں دنیا کا ذکر ہو رہا ہے تو کہیں آخرت زیر بحث ہے۔ ایک جگہ فرائض کا ذکر ہو رہا ہے تو دوسری جگہ اخلاق کے قصے بیان ہو رہے ہیں۔ جب اسباب نزول اس قدر مختلف ہیں کہ ان کے اندر ربط و نظم تلاش کرنا بے سود ہے تو ظاہر ہے ان کی بنیاد پر خود قرآن کی بھی اپنی ترتیب بے معنی سی ہوگی۔ اس صورت میں ایک ہی سورۃ کی آیات کے اندر ربط ڈھونڈنا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی کہ گویا [illegible] آگ اور پانی اور ملاح و حدی خواں کے درمیان رشتۂ مناسبت ڈھونڈا جائے۔

پھر آگے دوسرا اعتراض علامہ کا یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ترتیب نزول قرآن مصحف کی ترتیب کے

برعکس ہے اور اگر کسی کو شک ہے تو اسباب نزول کے مصنفین کی کتابوں سے اپنے شکوک دور کر سکتا ہے۔ اگر وہ قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتوں پر ہی غور کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ مختلف آیتیں مختلف مواقع پر نازل ہوئی ہیں اور ان کے مختلف اسباب نزول ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو ان آیاتِ قرآنی کے درمیان نظم تلاش کرنے کا مطلب کیا ہے جن کے متعلق ہمیں یقینی علم ہے کہ وہ پہلے نازل ہوئیں اور ترتیب مصحف میں آخر میں رکھی گئیں یا آخر میں نازل ہوئی ہیں اور پہلے رکھ دی گئی ہیں۔ تلاش ربط و نظم کا عمل ترتیب نزول میں نہیں جاری ہوتا بلکہ مصحف کی موجودہ ترتیب میں وہ عمل کارفرما ہے۔ یہ کام بڑا بے منفعت اور لاحاصل ہے اس میں محنت کرنے والا، اس کو سمجھنے اور پڑھنے والا تضییع اوقات کا جرم کرتا ہے اور اس کا کوئی ثمرہ اسے نہیں ملتا۔

آگے وہ نظم و ربط کے محققین کا مذاق اڑاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کسی ادیب اور فصیح و بلیغ کے خطبات، رسائل اور دستاویزات میں ان کا باہم ربط و نظم تلاش کرنے لگے، یا کسی شاعر کے قصیدہ، خوشی، مرثیہ اور ہجو میں ان کے آپس کے تعلقات ڈھونڈنے لگے، وہ ادیب اور شاعر کے فقروں اور جملوں یا خطبہ جہاد و خطبہ نکاح میں رشتہ ڈھونڈنے کی ناروا کوشش کرے یا تعزیتی افشانیہ و تقریب مسرت کے انشائیہ کے درمیان مناسبت پیدا کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص پاگل کہلائے گا جو اپنے سرمایہ عمر کو کھیلتا ہے۔ جب کلام بشر میں ایسی تلاش کا یہ مقام ہے تو پھر کلام اللہ میں اس کا کیا مقام ہوگا جس نے فصاحت و بلاغت کے بڑے بڑے سورماؤں کو معارضہ کرنے کے لئے کہہ دیا ہے اور عدنان و قحطان کی فصاحت اس کے سامنے گنگ رہ گئی ہے۔ (فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۹۶۴ء ۱/ ۷۲ – ۷۳)

یہ ہیں علامہ شوکانی کے اعتراضات۔ لیکن ایک طالب قرآن ان اعتراضات میں کوئی وزن محسوس نہیں کرتا کیونکہ مصحف کی موجودہ ترتیب کا ترتیب نزول کے مطابق نہ ہونا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ نے وحی الٰہی کی روشنی میں کسی خاص مقصد کے تحت خاص خاص آیات کو خاص خاص مواقع پر رکھی ہیں اور سورتوں کی یہ حد بندی اور ان کی ترتیب ہدایاتِ نبوی کے تحت عمل میں آنے سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ قرآن میں نظم و ربط موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علامہ کو اگر قرآن مجید میں نظم محسوس نہیں ہوتا تو یہ ان کی کمزوری اور کم علمی ہے کیونکہ بہت سے مفسرین نے نظم قرآن کی کامیاب کوشش کی ہے جن میں علامہ

مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان، و علامہ فراہی کا رسالہ نظام القرآن قابل ذکر ہیں۔ خاص طور سے مولانا فراہی کا مطالعہ قاری کو اس حقیقت تک پہنچا دیتا ہے کہ قرآن مجید کے نظم کا انکار قرآن پر بہت بڑا ظلم ہے اور یہ کہ قرآن کے معارف و حکم کا اصل خزانہ درحقیقت اسی نظم ہی کے اندر پوشیدہ ہے۔

۵۶ القرآن الکریم، بنی اسرائیل: ۳۰۔ ۵۷ نفس مصدر ۲۳، ۲۴۔ ۵۸ ایضاً ۱۰۸۔ ۵۹ فی ظلال القرآن ۵/ ۶ (محولہ بالا)

۶۰ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۱ء ۱/ ۳۶۔

۶۱ معالم فی الطریق، دار الشروق بیروت ۱۹۷۹ء ص ۱۰۔ ۶۲ فی ظلال القرآن ۳۰/ ۳۴۳ – ۳۴۱۔

۶۳ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ص ۱۵۵ – ۱۹۳

۶۴ مولانا فراہیؒ نے ان آیات سے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے وہ ان آیات سے خلافت کے قیام کا وجوب ثابت کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: تفاسیر فراہیؒ، تفسیر سورۃ عصر۔

سید شہید کے اسی انقلابی و تحریکی طرز تفسیر سے متاثر ہو کر ان کے حقیقی بھائی محمد قطب مدظلہ نے انہیں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے: "مجھے بہت زیادہ مسرت ہے کہ میں فی ظلال القرآن کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ لکھ رہا ہوں۔ یہ کتاب مصنف کی فکری زندگی کے سب سے زیادہ کارکردگی کے سالوں کا ثمرہ ہے۔ اسی کے ساتھ وہ اس جنگ کی واضح شرح بھی ہے جو وہ زندگی بھر لڑتے رہے اور جس کا نقطۂ عروج ۱۹۶۶ء میں ان کی شہادت تھی۔ اس تفصیل کا طویل ترین حصہ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۴ء تک کی مدت میں جبکہ وہ جیل میں تھے، لکھا گیا۔ وہاں انہیں مکمل گوشۂ عزلت میسر تھا۔ اس دوران تصنیف کے کام میں غرق تھے اور پوری طرح "قرآن کے زیر سایہ" زندگی گزار رہے تھے۔ مصنف کی شدید جد و جہد جس کی وجہ سے وہ قید ہوئے اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اس مقصد کے لئے تھی کہ اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ ایک گروہ کی شکل میں سامنے آئے جو اپنی زندگی میں اسلام پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ اسلام کا داعی بھی ہو، یہاں تک کہ اسلام اس پوری ملت کا بحیثیت مجموعی عملی دستور حیات بن جائے۔ فکری سطح پر مصنف کی جد و جہد ان کتابوں کی شکل میں سامنے آئی ہے جو اسلام کی حقیقی فطرت، اس کی اساسیات، اس کی اقدار و اس کے قوانین کی توضیح کے لئے وقف ہیں۔ ان تصانیف میں سب سے ضخیم اور سب سے اہم فی ظلال القرآن ہے۔ یہ کتاب درحقیقت اس مہم کی جد و جہد کا ایک اہم حصہ ہے اور اسے وہ قرآن کی مجرد تفسیر سے بہت آگے کی چیز ہے۔" (IN THE SHADE OF QURAN: OP. CIT. P. VI)

۶۵ فی ظلال القرآن، محولہ بالا، ۳۰/ ۲۳۶

۶۶ ایضاً ۳۰/ ۳۰ – ۳۱۔

یاقوت اور معجم الادباء

ولی اللہ سعیدی فراحی

نام ونسب

ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی البغدادی نام ہے۔ شہاب الدین لقب ہے۔ ۵۷۴ھ مطابق ۱۱۷۸ء میں پیدا ہوئے اور ۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۹ء میں وفات پائی۔

نشوونما

مشہور ثقہ مورخ ہیں۔ جغرافیہ کے اماموں میں شمار کئے جاتے ہیں اور لغت و ادب کے علماء میں آپ کی ایک حیثیت ہے۔ اصلاً روم کے رہنے والے ہیں۔ بچپن ہی میں اپنے ملک سے قیدی بنا لئے گئے اور بغداد میں عسکر بن ابراہیم الحموی نام کے ایک تاجر نے آپ کو خرید لیا۔ اس تاجر نے آپ کی تربیت کی، تعلیم دی اور اپنی تجارت میں شامل کر لیا۔ تاجر نے ۵۹۶ھ میں آپ کو آزاد کر دیا۔ کچھ دنوں بعد تاجر دوبارہ مہربان ہوا اور آپ کو اپنے یہاں بلا لیا اور اچھے تجارت کے سلسلے میں آپ کا تعاون حاصل کیا۔ تاجر کے انتقال کے بعد آپ کو دنیا دیکھنے کا موقع ملا اور دور دراز علاقوں کی سیر کی۔ وہ تجارت بھی کرتے رہے۔ حلب کے شہر خان میں وفات پائی۔

تالیفات

آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں (۱) ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ (۲) معجم الادباء (۳) معجم البلدان (۴) معجم الشعراء (۵) المشترک وضعاً والمختلف صقعاً (۶) المبدأ والمآل فی التاریخ (۷) الدول (۸) مجموعہ کلام ابی علی الفارسی (۹) عنوان کتاب الاغانی (۱۰) المقتضب فی النسب، اس کتاب میں انساب عرب کا تذکرہ ہے۔ (۱۱) اخبار المتنبی۔

معجم الادباء

یاقوت کی تصانیف میں معجم الادباء نہایت اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام "ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب" ہے لیکن معجم الادباء کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

اس کتاب میں ادیبوں کی سوانح عمری نہایت عمدہ انداز میں قلمبند کی گئی ہے۔ صاحب کتاب نے اس کتاب میں ہر اس شخص کا تذکرہ کیا ہے جو تصنیف تالیف سے متعلق ہے۔ خواہ وہ مصنف ہو یا نحوی لغوی، ماہر انساب یا اسی طرح کے دوسرے لوگ البتہ اس کتاب میں شعراء کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور انہی شعراء کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے تصنیف و تالیف کی خدمت انجام دی ہے جیسے معری اور بحتری وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یاقوت نے شعراء کو نظر انداز کر دیا بلکہ ان کے لئے علیحدہ "معجم الشعراء" تصنیف کی ہے۔

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہایت دقت نظر کے ساتھ تصنیف کی گئی ہے وہ یوں کہ سوانح عمری کے دوران جن واقعات کا تذکرہ کیا ہے انھیں ان کے اصل ماخذ اور مصدر سے نقل کیا ہے اور اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مزید یہ کہ صاحب کتاب کثیر الاسفار تھے اور اپنے سفر کے دوران ادباء سے خود ملاقاتیں کرتے اور ان کے واقعات تحریر کرتے تھے اور جس ادیب سے ملاقات نہ کر پاتے تو اس شخص سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتے جس نے شخص مطلوب سے ملاقات کی ہو اور اس شخص سے ادیب مطلوب کے سلسلے میں پوچھتے اور اسے تحریر فرماتے۔

ادیبوں کی سوانح عمری کے سلسلے میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کے صف اوّل میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

طرز تالیف

ادیب کی سوانح عمری لکھتے وقت سب سے پہلے نام ونسب لکھتے ہیں اس کے بعد جائے پیدائش، وفات، حالات زندگی اور آخر میں تصانیف وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس میدان میں یہ نہایت اختصار و ایجاز سے کام لیتے ہیں لیکن تشنگی کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا۔

اس کتاب کے کئی نسخے طبع ہو چکے ہیں۔ پہلا نسخہ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۲۶ء کے دوران سات جلدوں میں شائع ہوا۔ یہ نسخہ مستشرق کبیر مارجولیوث کے زیر اشراف شائع ہوا۔ دوسری اشاعت مجموعہ ذکری جیب سے ۱۹۲۳ اور ۱۹۳۱ کے دوران مطبع آئی اور قاہرہ میں، احمد ماموں الرفاعی کے زیر اشراف ۲۰ جلدوں میں ۱۳۵۵ سے ۱۳۵۷ھ، ۱۹۳۶ سے ۱۹۳۸ء کے دوران شائع ہوا۔

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

غزلیں

ابوالمجاہد زاہد

نئی صبح چاہتے ہیں، نئی شام چاہتے ہیں
جو بدل دے روز و شب کو وہ نظام چاہتے ہیں

وہی شاہ چاہتے ہیں، جو غلام چاہتے ہیں
کوئی چاہتا ہی کب ہے؟ جو عوام چاہتے ہیں

اسمٰعیات پہ ہیں برہم یہ عجب نگاہِ عالم
کہ جو چھن گیا ہے ہم سے، وہ مقام چاہتے ہیں

کسے حرفِ حق سناؤں، کہ یہاں تو اس کو سنتا
نہ خواص چاہتے ہیں، نہ عوام چاہتے ہیں

تری راہ دیکھتی ہیں مری تشنہ کام آنکھیں
ترے جلوے، میرے گھر کے در و بام چاہتے ہیں

وہ کتابِ زندگی ہی نہ ہوئی مرتب اب تک
کہ ہم انتساب جس کا، ترے نام چاہتے ہیں

نہ مراد ہوگی پوری کبھی ان شکاریوں کی
مجھے دیکھنا جو زاہد! تہِ دام چاہتے ہیں

عطا عابدی، دربھنگہ

عجب نہ وہ تو گردِ سفر اٹھا لائے
یہاں کے لوگ نیا دردِ سر اٹھا لائے

حریص بندوں کی مانند رحمتوں کے عوض
ترے خزانے سے ہم سیم و زر اٹھا لائے

حضورِ شمع کہاں ہے اب ایسا پروانہ
خدا کے نام پہ جو سارا گھر اٹھا لائے

وہ لطف جس کو ترستے ہیں گلستاں والے
وہ لطف آگ میں ہم کود کر اٹھا لائے

عطاؔ کو ڈوب کے گہرائی ناپنا تھی مگر
سمندروں کی تہوں سے گہر اٹھا لائے

غزلیں

ممتاز اعظمی

زندگی اس طرح سے بسر کیجئے
گریۂ شب سے پیدا سحر کیجئے

معرکے شوق کے یوں بھی سر کیجئے
اپنے دامن کو اشکوں سے تر کیجئے

دیکھئے ہر کٹھن راہ کٹ جائے گی
عزمِ محکم کو رختِ سفر کیجئے

وہ مجاہد ہے نعرۂ بغاوت کا ہے
اس کو حالات سے بے خبر کیجئے

پہلے خط لکھئے حالِ اماں جاں
پھر جناب، اس شہر کا سفر کیجئے

یار تو یار ہیں ان کا کہنا ہی کیا
اپنے دشمن کے بھی دل میں گھر کیجئے

پتھروں کی بھی بارش میں جو رک سکیں
ایسے مضبوط کچھ اپنے سر کیجئے

شہر میں ہے کسی کے خوشی بھلی
ہو سکے تو نہ رسوا ہنر کیجئے

سرفراز بزمی

عقل کے نشیمن پہ بجلیاں گراتے ہیں
پتھروں کی بارش میں آشیانہ اٹھاتے ہیں

انقلابِ دوراں کی یہ بھی اک علامت ہے
لبوں پہ خاموشی، بوم گیت گاتے ہیں

سنگ دل ہواؤں کے قافلوں سے پوچھو گا
ملتوں کے آئینے کیسے ٹوٹ جاتے ہیں

ان مہکتے پھولوں میں زہرناک خوشبو ہے
جن کو دیکھ کر اکثر لوگ جھوم جاتے ہیں

شام کے دھندلکے میں بدلیوں سے آ پوچھیں
ظلم و جور کے سورج کیسے ڈوب جاتے ہیں

کیا چمن میں اے بزمی پھر بہار آئی ہے
میرے دل میں یادوں کے ساز جھنجھنا گیا

روسی نظام میں ٹوٹ پھوٹ

نعیم صدیقی

مجاہدینِ افغانستان کی قربانیوں نے پوری عالمی تاریخ کو متاثر کر دیا ہے اور سوویت یونین کا "توڑ دیگ کا ڈھکنا ہلا دیا اسے" (پنجابی کا ترجمہ: دیگ کو تہ تک ہلا دیا ہے) روس کو اپنی فوجی قوت کی کمزوریوں کا پتہ چلا اور پھر گورباچوف نے جو نگاہ ذرا اوپر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ روس کا سوویت نظام جبریت جنگلہ در جنگلہ ایک ایسا قفس ہے جسے بدلنا آسان نہیں اور جس میں ایک سے زیادہ قوتیں ایک دوسرے کی گھات لگائے بیٹھی ہیں۔ وہ تو خوش قسمتی سے ایک مردِ حساب شکن افغانیوں کی مہربانی سے روسیوں اور ان کے محکوموں اور افسروں اور کمیونسٹ پارٹی پر نیا چھایا ہے کہ گورباچوف کو تھوڑا سا چھید کر کے رد و بدل کرنے کا کچھ موقع مل گیا ہے۔

روس میں مظاہرات

تبدیلی کرنے میں مدد دینے والی ایک اور چیز مؤثر ہو گئی۔ وہ روس جس میں چڑیا پر نہیں مار سکتی تھی اور کوئی ترغوں نہیں کر سکتے تھے وہاں ہر طرف مظاہرات کا ایک طوفان اُمڈ پڑا۔ یہ جرأتِ اظہار بھی روسی پبلک کو افغانستانی مجاہدین کا عطیہ ہے۔

مظاہرات ایک تو وہ ہیں جو روس کے اثر میں آئے ہوئے مغربی ملکوں میں اٹھ رہے ہیں مگر ہم یہاں صرف ان کا ذکر کریں گے جو خود روس کی اپنی سرزمین U.S.S.R کی جابرانہ حکومت کے تحت رونما ہوئے ہیں۔

ماسکو میں ہونے والی سپیشل پارٹی کانفرنس کے سلسلے میں ہزاروں سوویت باشندے سڑکوں پر نکل آئے۔ یہ اپنی دیرینہ امنگوں کے اظہار کے ساتھ معاشی جابروں کی مذمت اور مزید جمہوریت کا

مطالبہ کر رہے تھے۔

بالٹک سٹیٹس۔ ایک لاکھ اسٹونیوں نے ماسکو کانفرنس کے ڈیلیگیشن کو الوداع کرتے ہوئے ان سے اپیل کی کہ وہ ماسکو سے اپنے ساتھ آزادی کو واپس لے کے آئیں۔

لتھوانیا کے ۹۰ ہزار افراد نے دارالحکومت کے مظاہروں میں حصہ لیا جو ری پبلک کے لئے زیادہ اقتصادی حق حاصل کرنے کے لئے تھے نیز لتھوانی زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کا مطالبہ کیا۔

لٹویا میں جو بالٹک کی سب سے زیادہ چپ چاپ ریاست ہے ویگا کے مقام پر ۲۰ ہزار مظاہرین نے ان لٹویتی شہریوں کی تقریب منائی جن کو اسٹالن نے جون ۱۹۴۱ء میں اپنے مقبوضہ علاقہ بدر کر دیا تھا۔ اس موقع پر زمانہ قدیم کے آزاد لٹویا کا جھنڈا لہرا گیا۔ نیز ماسکو سے مزید اقتصادی آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔

آرمینیائی لوگوں نے کئی روز سے جلسوں اور مظاہروں کا پروگرام شروع کر رکھا تھا۔ جون ۱۸، ۱۹ کو تشدد کا الزام لگایا گیا۔ ۱۲۰ افراد [illegible]

بحیرۂ اسود کے کنارے ۵ ہزار تاتاریوں نے ہڑتال کر دی۔ وہ کریمیا کے آبائی وطن کا مطالبہ کر رہے تھے جہاں سے ۱۹۴۴ء میں سٹالین نے ان کے آباء اجداد کو نکال باہر کیا اور کریمیا کو روس کی خود مختار ری پبلک بنا دیا۔ ان لوگوں کے ہم وطن و ہم نسل ماسکو میں بھی مظاہرات کر رہے تھے۔ ۸، ۹ جون کو پولیس نے ۱۵ تاتاریوں کو گرفتار کیا جو پارٹی کانفرنس میں اپنا مطالبہ پیش کرنا چاہتے تھے۔

۱۵۰ تاتاریوں نے ماسکو ہوٹل کے سامنے مظاہرہ کیا۔ پولیس نے انہیں روکا اور چھ افراد کو گرفتار کر لیا۔ اس سے قبل تاشقند میں پولیس والوں نے ۲۰ ہزار تاتاریوں کے ایک مظاہرے کو منتشر کیا۔

مشرق بعید کے روسی جزیرہ SAKHALIN ISLAND یا SAKHALIN SNYZMNO میں دو بڑے مظاہرے ہوئے مگر ان کا ہدف گورباچوف نہ تھے بلکہ کانفرنس کے لئے غیر جمہوری ڈیلیگیٹ بھیجنے کا معاملہ تھا۔

۱؎ "نوائے وقت" مورخہ ۱۲ جولائی کی تازہ اطلاع ہے کہ جمہوریہ آرمینیا کے دارالحکومت میں لاکھوں افراد نے جمع ہو کر ایک بہت بڑا مظاہرہ کیا حالانکہ شہر میں روسی فوجی دستے تعینات کئے گئے تھے۔

شہر OMSK میں ۱۹ مئی کو تقریباً ۷ ہزار افراد کے ہجوم نے ماسکو والی بڑی کانفرنس کے ڈیلی گیٹوں کو غیر جمہوری طریق سے منتخب کرنے کے خلاف مظاہرہ کیا۔

KUYLESHEV میں دس ہزار افراد نے مظاہرہ کیا اور ۶ ہزار نے ڈیلی گیٹوں کے انتخاب میں زیادہ جمہوری طریقہ اختیار کرنے کے مطالبے پر دستخط کئے۔

ماسکو میں کثیر جماعتی سسٹم کے حامیوں میں سے ۱۱ جون کو چھ افراد گرفتار کئے گئے۔ ۲۸ جون کو سات مزید پکڑے گئے، ۲۵ جون کو ۱۳۰۰ افراد نے مظاہرہ کیا (جس میں آندرے سخاروف نے بھی شرکت کی) یہاں بھی مطالبہ یہ تھا کہ مزید جمہوریت دی جائے اور دوسرے یہ کہ اسٹالین کے مظالم کا شکار ہونے والوں کی یادگار تعمیر کی جائے۔

جبریت کا آغاز شکست

مظاہرات کے اس طوفان کا جائزہ لینے سے آپ یہ اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں کہ آمریت و جبریت اور ظلم و استبداد اور اندھی قسم کی اجتماعیت اور ناحق پیسنے والوں کو "آہ" کرنے کی اجازت نہ دینے والا سیاسی و قانونی ماحول انسانی فطرت سے کس بری طرح متصادم ہے۔ آدھی صدی تک کروڑوں لوگوں کو جن خیالات و احساسات کے محو کرنے کے لئے ظلم کی چکی میں پیسا گیا ان میں ہر ایک اپنی بنیادی اور قدیم روایت و اقدار کا جھنڈا آج بھی بلند کر رہا ہے۔

نسل والوں کو اپنی نسل کی اہمیت یاد ہے۔ فرد کے اندر حقوق کی پیاس موجود ہے۔ جبری ترک وطن کرنے والے اپنے سیاسی وطنوں میں لوٹنا چاہتے ہیں۔ کسان کھیت سے زیادہ قریبی رشتہ یگانگت چاہتا ہے۔ اہل مذہب کے گرد جو جبری الحاد و دہریت کا دھواں (ڈیزل آئل کا سا دھواں) برسوں سے پھیلا ہوا ہے اور جس میں عقیدے اور جذبے سانس بھی نہیں لے سکتے، ان کی مذہب کے لئے مخفی کشش اور ان کا سینہ بہ سینہ قدیم روحانیت، سب سے نئی نئی کونپلیں نکل آئیں۔ مذہبی اداروں کی رونقیں بڑھ رہی ہیں، تقریباً ہر خانے کا رجحان پہلے سے زیادہ ترقی پر ہے۔ خدا پرستی کے انسداد کے لئے جو قوت کا پردہ کام کر رہا تھا وہ چاک چاک ہو رہا ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ انسانی فطرت کو کئی سال تک کچلنے کا جو شدید دور اختیار کیا گیا ہے اس کا ماحصل در حقیقت صفر ہے بلکہ پیچھے پلٹ کر سارا سفر از سر نو طے کرنا ہوگا۔

عقل پرستوں اور مادہ پرستوں کے لئے بڑا دردناک سبق ہے۔

نئی تبدیلی کا سرسری جائزہ

قارئین کرام! فطرت انسانی کے دبے ہوئے تقاضوں کا یہ دباؤ اور انسانی انتہا پسندیوں کا یہ رد عمل ہے جسے جہاد افغانستان نے بڑھا دیا ہے، آج روس میں ایک اہم سیاسی و اقتصادی تبدیلی کا ذریعہ بن رہا ہے۔

ہر چند کہ تبدیلی کا موجودہ محاذ اپنے اصل مقام سے بہت پیچھے ہٹ کر ہے مگر یہ تبدیلی ایسی ہے کہ اس میں ایک دروازہ کھلنے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کھلتا چلا جاتا ہے۔

سوشلزم کے بے جا بندھنوں کو کاٹ ڈالنے کا کام بہت پہلے چین نے کر لیا تھا جس پر روس والے ترمیم پسندی کے طعنے دیا کرتے تھے اور اس ترمیم پسندی نے اب اپنے قدم اور بھی آگے بڑھا دیئے ہیں۔ اب خود روس میں بھی ایک بڑی ترمیم (بلکہ توڑ پھوڑ) شروع ہو رہی ہے۔ بعد سے عالمی ماحول کا دباؤ بھی کام کر رہا ہے۔ اب ذرا اعلان شدہ نقشۂ تغیر کا سرسری ذکر۔

پہلی بڑی تبدیلی یہ ہے کہ اب ایک طرح کی صدارتی جمہوریت (ناقص سی) ہوگی جس کو چلانے کے لئے ۲۵ ہزار قومی ڈیلی گیٹس پر مشتمل ایک کانگریس وجود میں آئے گی اور دو ایوانوں کے لئے ۱۵۰۰ ارکان کا انتخاب ہوگا اور ۷۵۰ ارکان خاص خاص اداروں اور تنظیموں کی طرف سے شامل ہوں گے۔ کانگریس ایک صدر کو چنے گی جو ۵ سال تک رہے گا (زیادہ سے زیادہ ایک بار اور انتخاب ہو سکتا ہے) صدر کو داخلی، خارجی اور دفاعی تمام امور اور پالیسیوں پر پورے اختیارات ہوں گے صدر فرانس کی طرح وزیر اعظم مقرر کرے۔ اس مرکزی صدارتی نظام کا انعکاس صوبوں میں بھی ہوگا فرد کو اس کے حقوق حاصل ہوں گے۔ کمیونسٹ پارٹی کو اس کی بیورو کریسی کے آرڈروں کے ذریعے تسلط حاصل نہیں رہے گا بلکہ یہ آرڈر کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، پریس کو آزادی ہوگی کسانوں کو کھیت مہیا کئے جائیں گے جن میں وہ مالکانہ جذبے سے کام کر سکیں گے۔

اسٹالین ازم کی اندھی جبریت

دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اسٹالین ازم نے اندھی جبریت سے کام لے کر ملک کو صنعتی بنانے کے لئے انتہا پسندانہ پالیسی اختیار کی اور پانچ سالہ منصوبہ بنایا جس کی وجہ سے بے شمار تباہی مچی۔ اس قسم کی اندھی نظریہ پرستی اور قدامت پرستی پر تعمیری اغراض کے لئے ملک کی بنیاد کو کھڑا کرنے کا امکان حکمرانوں نے کو تسلیم نہیں۔

۴۔ ضمناً یہاں بتا دیا جائے کہ سٹالین کا اقدام گویا ایک نیا روسی انقلاب تھا جو ۱۹۱۷ء کے مقابلے میں بہت بھرپور تھا۔ اس کی بھرپور چوٹ کسانوں پر پڑی۔ یہاں ذرا دہشت گردی کے اس دورِ مظالم کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔ ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ گھرانوں کو زبردستی حکومتی کھیت بندیوں اور کولخوزوں میں جذب کر دیا گیا۔ مزاحمت کرنے والوں کے لئے فوج میدان میں آگئی۔ گروہ کے گروہ پکڑے گئے اور گولیوں سے اڑا دیئے گئے یا جبری نظر بندی کے بیگار کیمپوں کی تاریکیوں میں دھکیل دیئے گئے۔ یوکرین میں قحط پڑا اور اس حال میں بھی نظامِ حکومت نے غلے کی برآمد جاری رکھی۔ مقامی لوگ خصوصاً بچے بلک بلک کر مر رہے تھے۔ تمام عرصے میں ایک کروڑ کسان ہلاکت کا نشانہ بن گئے۔

بعد ازاں اس شخص نے بحیثیت سیکرٹری جنرل پارٹی، کمیونسٹ پارٹی کے ان ممبران کو تشدد کا نشانہ بنایا جو اسے کامیاب بنانے میں مددگار رہے تھے۔ اس نے اہم لیڈروں کو قتل کرایا۔ جنگی کونسل کے ۸۰ میں سے ۷۵ ممبران، فوج کے ۵ میں سے ۳ مارشل، ۶۰ فیصد جرنیل، ۳۰ ہزار افسر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد لینن نے جن تہائی معتمد افراد پر مشتمل کابینہ بنائی تھی، اس میں سے خود سٹالین کے سوا کوئی نہ بچا۔ عمل تطہیر (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۸ء) میں ۱۱ میں سے ۹ وزراء کا، پارٹی کی مرکزی تنظیم کے ۴۵ میں سے ۴۳ ارکان کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ روس کا مسودۂ دستور تیار کرنے والے ۲۷ معروف اشتراکیوں میں سے ۱۵ کا خاتمہ۔ [2]

مذکورہ عمل تطہیر کے کچھ اور اعداد و شمار:

• جرنیل، پادری اور راہب [illegible] • دوسرے اہل کلیسا [illegible]

---

[1] ذرا یہ بھی خیال رہے کہ ۱۹۱۷ء کا ذکر کرنے والا یہ شخص جولائی ۱۹۰۳ء سے مارچ ۱۹۱۷ء تک سائبیریا میں جلاوطن رہا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، پندرھواں ایڈیشن، ج ۲۸، ص ۱۹۷)۔ اس کے متعلق لینن نے موت سے پہلے سیاسی ہدایت نامہ لکھ کر چھوڑا جس کی اشاعت بھی ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ سٹالین کو سیکرٹری جنرل کی پوسٹ سے ہٹا دیا جائے، یہ تباہ کن ہے۔ (حوالہ ماسبق)

[2] حوالہ کے لئے

WHAT HAPPENS TO COMMUNISTS (ED 53)

BY: MICHAEL PADYE & A SHORT HISTORY OF U.S.S.R.

• جج، وکلاء، مجسٹریٹ	۳۴۵۸۵	• امراء و رؤسا	۹۰۸۶۰
• فوجی افسر	۵۶۳۴۰	• مزدور اور محنت کش	۱۹۲۰۰۰
• کسان اور کاشت کار	۸۹۵۰۰۰	• سپاہی اور ملاح	۲۶۸۰۰۰

مولانا مودودیؒ نے روسی تباہی کے حاصل مطالعہ کو اس عنوان کے تحت سمیٹا ہے کہ "اشتراکیت کا میزانیہ نفع و نقصان"۔ اعداد و شمار کا خلاصہ ملاحظہ ہو جن کا تعلق صرف اسٹالین کے دور سے نہیں بلکہ لینن کا زمانہ بھی شامل ہے:

ہلاکت	۱۹ لاکھ افراد	مختلف سزائیں	۲۰ لاکھ افراد
ملک چھوڑنے والے	۴۰/۵۰ لاکھ افراد [1]		

مظالم کا ردِ عمل

اتنے بڑے پیمانے پر مظالم ایک ایسے نظریہ و نظام کے بل پر ڈھائے گئے جس کی صداقت روز بروز مشتبہ ہوتی گئی اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس میں اتنی تبدیلی کر دی جائے جتنی کے لئے حالات سازگار ہیں۔ ظاہر ہے کہ نیم جمہوری اور یک جماعتی نظام کا ظہور "پارٹی" کے اقتدارِ کامل کے لئے ایک ضرب ہے اور پارٹی کے نئے روس کا خود مختار جاسوسی نظام اپنے آپ کو برتر سمجھتا ہے اور حسب ضرورت قتل و مقاتلہ اور دوسرے جرائم کرتا رہتا ہے۔ ان حالات میں اگر گورباچوف کی مجوزہ تبدیلی بھی کامیاب ہو جائے تو آگے کے لئے راستہ کھل سکتا ہے۔

گویا گورباچوف صاحب اپنی مجوزہ تبدیلی کو ڈھانچے کی تشکیل نو (RESTRUCTURING) قرار دیتے ہیں یعنی سوشلزم صحیح سلامت ہے، بس بیرونی ڈھانچہ بدلا جا رہا ہے۔ لیکن اس پر (ZBIGNIEW BRZEZINSKI) کا تبصرہ خوب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم اسٹالین کی اجتماعی جبریت کو تو چھوڑ کر نکل آئے لیکن بات تو جب بنے گی جب لینن کے یک جماعتی نظام کے قفس کو بھی توڑ ڈالو۔ گویا یہ تبدیلی فی الواقع ضروری تبدیلی ہے۔

---

[1] مولانا مودودیؒ۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات۔ طبع اول دسمبر ۱۹۵۹ء، ص ۹۶، ۹۸

لمحۂ فکریہ

قارئین کرام! ہم نے ایک خشک موضوع کے متعلق نہایت تھوڑا سا بوجھل مواد آپ کے سامنے ایک خاص مقصد سے رکھا ہے۔ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ انسانی تاریخ ایسے بڑے بڑے حادثات سے بھری پڑی ہے کہ انسانوں نے خود اپنے ہی کسی مفروضے یا من گھڑت فلسفے کی بنیاد پر ایک سیاسی و قانونی اور معاشی نظام کھڑا کر دیا، پھر ایسے باطل نظام کے نفاذ و اجراء کے لئے بے تحاشہ خونریزیاں اور جبر کیشیاں کی گئیں۔ جس انسانیت کی بھلائی کا نام لے کے سوچا جاتا تھا اور انقلاب اٹھائے جاتے اور بادشاہتیں چلائی جاتیں اسی کو زخموں سے چور چور کر دیا گیا۔

کیا روس میں اور باہر کے روس پرستوں میں اس حقیقت کو سوچنے والا کوئی نہیں ہے کہ آخر ۷۰ سال کی نعرہ بازی، ۷۰ سال کی خونریزی، ۷۰ سال کی انسانی آزادی، ۷۰ سال کی فلسفہ طرازی اور ۷۰ سال کی اس ادب نگاری کی کیا قدر و قیمت جس نے انسان کو تباہی کے سوا کچھ نہ دیا۔

ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ کسی شخص نے جس چیز کو چاہا حق و صداقت قرار دے کر اسے انسانوں پر ٹھونس دیا۔ کہیں کسی مجلس نے جمع ہو کر کثرت سے فیصلہ کر دیا اور وہ فیصلہ بغیر اس کے مسلط ہو گیا کہ کتنے دل مجروح ہوں گے اور کتنے مفاد تباہ ہوں گے اور کیا اخلاقی اثرات پیدا ہوں گے اور کیسے کیسے دور رس نتائج ابھر آئیں گے۔

انسانوں پر اس طرح کے تجربے کرتے رہنا جیسے ہر نو ایجاد دوا کے لئے بندروں اور خرگوشوں، چوہوں اور مینڈکوں پر کئے جاتے ہیں، اور پھر ہر نظریے کا مرور ایام کے ساتھ باطل قرار پانا اور اس کے لئے دی جانے والی قربانیوں اور اس کے لئے کئے جانے والے مظالم کا لایعنی حیثیت اختیار کر جانا کتنا دردناک عمل ہے جو روز ہمارے سامنے بھی ہو رہا ہے اور ہمارے پیچھے کی اقوام میں بھی ہوتا رہا ہے۔[1]

---

[1] یہ عبرت ناک واقعہ بھی توجہ چاہتا ہے کہ افغانستان میں روسی حملہ آور فوج نے اپنی جانثار دینے والے خاص افسروں کی جو یادگاریں تعمیر کی تھیں ان کو تقریباً اب وہ اپنے ہی ہاتھوں سے توڑ رہے ہیں، کیونکہ بعد میں جو گت ان کی بنے گی اس کا موقع نہ آئے۔

ہمارا پیغام

انسانوں کے ایجاد کردہ اسی باطل ادیان، غلط فلسفوں اور مہلک نظریوں کی زد سے انسانیت کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے نظام عقائد و عبادات کے ساتھ ایک نظام سیاست و معیشت اور نظام قانون و عدل اور ضابطہ جنگ و صلح بھی اصولی طور پر طے کر دیا کہ ان اصولوں کے فریم کے اندر وقت کی ضروریات کے مطابق کچھ جزئی فرق و اختلاف کی گنجائش ہے۔

سو ہمارا پیغام گورباچوف اور روس اور ساری دنیا کے علاوہ خود اہل پاکستان کے لئے بھی یہی ہے کہ خدا کے بذریعۂ وحی نازل کردہ فکر، نظام اور قوانین کے آگے سر تسلیم خم کر دو، صرف اسی طریق سے فلاح و سعادت پاؤ گے ورنہ انسانوں کے خود ساختہ باطل نظریے اور من گھڑت قوانین اور طاغوتی نظریات و مذاہب تمہیں عذابوں اور تباہیوں سے گزارتے رہیں گے۔

بازیچۂ خویشتن نگر

اگست کا مہینہ اس یاد دہانی کے لئے بہت اچھا موقع فراہم کرتا ہے کیونکہ اسی مہینے میں ہم کو آزادی ملی تھی اور ہم نے آزادی اور آزاد خطے کا حصول اسی خواہش اور وعدے پر چاہا تھا کہ اگر ہمیں موقع مل جائے تو اپنے دین اور نظام تہذیب کا احیاء کر کے دنیا بھر کے لئے ایک مینارۂ نور کھڑا کر دیں۔

اسی کے لئے قربانیاں دی گئیں۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر لوگوں نے جانوں، مالوں اور عزتوں کی بربادی کو گوارا کیا۔

آج وقت ہے کہ گریبانوں میں منہ ڈالیں۔ اپنے ضمیروں کی آواز سنیں اور اب تک کی کوتاہیوں پر شرمسار ہوں اور ان کی جو دردناک سزائیں مل رہی ہیں اور جو قوتیں عذاب بن کے منہ پھاڑے کھڑی ہیں۔ ان کے مقابلے میں خدا کی پناہ مانگیں اور پھر کمربستہ ہو جائیں اس پر کہ پہلے ہم انفرادی اور گھریلو زندگی میں اسلام کو نافذ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہم ایسی کوششوں میں شریک ہوتے ہیں جو ملک بھر میں دین حق اور نظام اسلام کو کارفرما کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ یہ کام اگر ہم کر سکے تو یہی حقیقی آزادی ہوگی۔

تعقل پرستی بخلاف اسلام

اگست، اور یوم آزادی اور اقامت نظام اسلامی سے یہ سامنے موضوعات یوں بھی سامنے ہیں؛ اور یہ خطرناک

نقشہ احوال یہی نکلا ہوا ہے کہ مغرب کے فکری و ثقافتی غلام دانشوروں نے تعقل پرستی کے خم سے کی مہریں توڑ کر ساغر دینا بھر لیے اور اب وہ اس سرمایہ جہالت و ضلالت کو چاروں طرف اچھال رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے مضمونوں اور ان کے جلوس پر اُنہی کے جھنڈے نظر آتے ہیں۔ عقل پرستی ہمیشہ خواہشات پرستوں کا نقاب ہوتی ہے۔ وہ شریعت اسلامی کے تصور سے تو خواب میں بھی چونک اٹھتے ہوں گے کہ اس نے ہماری پیاری دلچسپیاں اور تفریحیں، اور لذتیں سب کچھ چھن گئی۔ بعض لوگوں کو تو کوڑے مارنے کی سزا وحشیانہ معلوم ہوتی ہے حالانکہ ہم جیل کے مناظر کے آشنا لوگ جانتے ہیں کہ ایسے متعدد مواقع آئے جب حسینہ گزرے کہ اولاد آدم پر محض جیل کے معمولی قواعد توڑنے یا کسی افسر کی خوشنودی سے محروم ہونے کے نتیجے میں جسم سے جان لیوا کوڑے کھانے پڑے اور پھر کئی کئی دن ہسپتالوں میں علاج ہوتا رہا۔ انگریزی دور کی قائم شدہ اس روایت کے خلاف تو کبھی آپ پر ویسی کپکپی طاری نہ ہوئی جیسی زنا جیسے گھناؤنے اور لعین جرم پر آپ کو ہوتی ہے۔[1] آپ یک دم اُٹھتے ہیں اور قرآن و نبی اکرمؐ کی شریعت کی سنت کے تحت زنا کے جرم کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کچھ یوں لگتا ہے جیسے انہیں اپنے آپ سے اس جرم کا کوئی تعلق خاص محسوس ہوتا ہے۔ کچھ لوگ گواہی کے معاملے میں قرآن پر پھبتی کسیں گے کہ عورت آدھی ہوگی۔ عورت پوری ہے فرق اس کی ڈیوٹی اور ذمہ داری میں آتا ہے۔ ایسی فضول گوئی سے شریعت کا استہزا کرکے آپ اگر محض عقلی نظام و قانون کو قوم پر مسلط کریں گے تو اس کے انتہائی تلخ نتائج بھگتنے ہوں گے مگر ۵۰، ۵۰ سال کی اذیتوں سے گزرنے کے بعد احساس ہوگا کہ کچھ غلطی ہو گئی۔ مگر آپکی مجبور عقل آپ کو پھر بھی شریعت کی طرف جانے سے روکے گی کسی نئے تجربہ کی طرف دھکیل دے گی۔ اسی طریقے سے ساری تاریخ میں قومیں اور معاشرے خراب ہوتے رہے ہیں۔

ہماری ہر صاحب ایمان سے درخواست ہے کہ وہ عقل سے کام ضرور لے مگر عقل پرستی سے بچے جو سیکولرازم اور لبرلزم کا درس دیتی ہے اور جو خدا اور رسولؐ کے دین اور اسلامی قانون و شریعت کا مذاق اڑاتی ہے۔

تمام دینی جماعتیں اور اسلام سے قلبی وابستگی رکھنے والے افراد لادینیت پسند عقل کے خلاف پیغام حق کو لے کر اٹھیں اور شریعت اسلامی کا جھنڈا بلند کریں، تب ہماری حقیقی آزادی کا آغاز ہوگا اور تب اگست کے یوم آزادی کا حق ادا ہوگا۔ (بشکریہ "ترجمان القرآن" لاہور اگست ۱۹۹۸ء)

---

[1] زیادہ سے زیادہ ایک اصلاحی صورت علماء یہ تجویز کر سکتے ہیں کہ ایسی سزائیں جیل کی چار دیواری ہی میں دی جائیں اور وہاں "طائفۃ من المؤمنین" کی موجودگی کی شرط کو جیل کی آبادی کے علاوہ باہر سے پاس پڑوس سے لائے جانے والے ۲۵، ۵۰ یا ۱۰۰ افراد کو اندر لا کر بٹھایا جائے۔

ابن کثیرؒ اور "تفسیر القرآن الکریم"

عبدالبر اثری فلاحی

تعارف

ابوالفداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، البصری، الشافعی ۷۰۰ھ/۱۳۰۱م میں یا ۷۰۱ھ/۱۳۰۱م میں نواح بصری میں مجدل نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ۷۰۶ھ میں اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کے ساتھ دمشق چلے آئے۔ وہ شعبان ۷۷۴ھ/۱۳۷۳م میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنی وصیت کے مطابق دمشق میں باب النصر کے باہر صوفیہ کے مقبرے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔

علم و فضل

گیارہ سال کی عمر میں مکمل قرآن حفظ کر لیا۔ فقہ، اصول، تفسیر، تاریخ، حدیث وغیرہ علوم حاصل کیے۔ جوانی ہی میں کافی دسترس حاصل کر لی اور امام وقت ہو گئے۔ امام ذہبی نے المعجم المختص میں آپ کی تعریف میں لکھا ہے:

فقیه متفنن، محدث متقن، محقق مفسر نقاد وله تصانیف مفیدة۔

وہ بڑے کار فقیہ، محقق، محدث اور نقاد مفسر تھے اور مفید تصانیف رکھتے ہیں۔

متون، اسانید، علل، رجال اور تاریخ کی گہری واقفیت رکھتے تھے اسی وجہ سے ابن حجر نے ان کے سلسلے میں لکھا ہے۔

اشتغل بالحدیث مطالعة فی متونه ورجاله وکان کثیر الاستحضار حسن المفاکهة سارت تصانیفه فی حیاته وانتفع الناس بها بعد وفاته	متون حدیث اور رجال کے مطالعہ کا خاص اشتغال رہا، بڑے حاضر العلم، کثیر المحفوظات تھے۔ ان کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لوگوں نے ان کی وفات کے بعد بھی ان سے فائدہ اٹھایا۔

تصانیف و تالیفات

آپ کی تصانیف کافی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں ان میں سے کچھ شائع

ہو چکی ہیں مگر کچھ اب تک ناپید ہیں:

۱: تفسیر القرآن الکریم۔ ۲: جامع المسانید والسنن: اس کے اندر مسند احمد، بزار، ابو یعلی، ابن ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایت جمع کر دی گئی ہیں لیکن یہ نامکمل ہے اور اس کی سات جلدیں دار الکتب المصریۃ میں موجود ہیں۔

۳: التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل۔ اس میں تہذیب الکمال اور کتاب میزان الاعتدال کی باتیں جمع کر دی گئی ہیں اور جرح و تعدیل سے متعلق بعض چیزوں کا اضافہ بھی اس میں شامل ہے۔

۴: شرح صحیح بخاری۔ لیکن نامکمل ہے۔ ۵: تخریج احادیث ادلۃ التنبیہ فی فروع الشافعیۃ۔

۶: تخریج احادیث مختصر ابن حاجب الاصولی۔ ۷: مسند الشیخین ابی بکر و عمر۔ ۸: اختصار علوم الحدیث لابن الصلاح۔ ۹: اختصار کتاب المدخل الی کتاب السنن للبیہقی۔

۱۰: البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ۔ مصر سے البدایۃ کا حصہ شائع ہو چکا ہے جو آغاز خلافت سے ۷۶۸ھ تک حالات پر مشتمل ہے اور النہایۃ کا حصہ بھی دو جلدوں میں اب شائع ہو کر آ گیا ہے۔ اس کے اندر فتن، اشراط قیامت، ملاحم اور احوال آخرۃ وغیرہ موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۱۱: السیرۃ النبویۃ۔ ایک مطول ہے اور ایک مختصر ہے۔ دونوں شائع ہو کر آ گئی ہیں۔

۱۲: طبقات الشافعیۃ۔ ۱۳: مناقب الامام الشافعی۔

۱۳: کتاب الاحکام۔ صرف حج تک کے احکام پر بحث ہو سکی ہے اور بقیہ نامکمل ہے البتہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔

۱۴: رسالۃ فی الجہاد۔ یہ پمفلٹ ہے اور مصر سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۵: رسالۃ فی مولد النبیﷺ۔ یہ بھی پمفلٹ ہے اور شام سے شائع ہو چکا ہے۔

تفسیر القرآن الکریم

ان تمام تصانیف میں سب سے زیادہ تفسیر القرآن الکریم بنام تفسیر ابن کثیر اور البدایۃ والنہایۃ مشہور ہیں۔ ان میں سے اول الذکر کے بارے میں جان لینا فائدے سے خالی نہ ہوگا اس وجہ سے کہ تفسیر کی دنیا میں اس تفسیر کو گوناگوں پہلوؤں سے امتیازی حیثیت حاصل ہے جس کا اندازہ آپ آنے والے مباحث سے لگا سکتے ہیں۔

مقصد تالیف

اگرچہ مصنف نے ان عوامل کا تذکرہ نہیں کیا ہے جن کی وجہ سے اس تفسیر کو لکھنے پر وہ آمادہ ہوئے، سوائے اس تمہید کے کہ کتاب الٰہی کی تبیین و

تشریح ایک اہم دینی فریضہ ہے جس کی طرف ہر مومن و مسلم کو توجہ دینی چاہیے لیکن اس کے مطالعہ کے بعد ایک بہت ہی اہم سبب وہ سمجھ میں آتا ہے جس کی طرف مولانا ابوالحسن ندوی نے اشارہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"اس تفسیر سے پہلے اہل منقول نے جو تفاسیر لکھیں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کی تحقیق کی بڑی کمی اور ضعیف احادیث و اسرائیلیات کی بڑی کثرت تھی۔ حافظ ابن کثیر ایک بلند پایہ محدث تھے انھوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی۔" (تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۲، ص ۳۴۲)

طریقۂ تالیف

آغاز تفسیر میں مصنف نے ایک اہم اور طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں کہ انھوں نے قرآن اور اس کی تفسیر سے متعلق بہت سے امور سے بحث کی ہے لیکن اس مقدمہ کا بیشتر حصہ ان کے استاد ابن تیمیہؒ کے "مقدمہ فی اصول التفسیر" سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں ان کی آراء، تفسیر اور ان کے علم سے کافی استفادہ کیا ہے۔

آپ کا طریقۂ تفسیر یہ ہے کہ پہلے ایک آیت کا تذکرہ کرتے ہیں پھر مختصر اور آسان عبارت کے ذریعے اس کی تفسیر کرتے ہیں اور اگر آیت کی توضیح کسی دوسری آیت سے ممکن ہوتی ہے تو اس کا ذکر کرتے ہیں اور دونوں آیتوں کو اس طرح ملا دیتے ہیں کہ معنی بالکل واضح ہو جاتا ہے اور مفہوم بالکل کھل جاتا ہے یعنی تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو حتی المقدور خاص طور سے ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی لئے عام طور سے وہ ایک معنی کی مختلف آیات کو یکجا کر دیتے ہیں پھر اس آیت سے متعلق مرفوع احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں اور ہر ایک کی وضاحت فرماتے ہیں پھر اس کے بعد اقوال صحابہ، تابعین اور علماء سلف کا تذکرہ کرتے ہیں پھر بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔ روایات کے صحت و ضعف سے بھی بحث کرتے ہیں اور رواۃ پر بھی جرح و تعدیل کرتے ہیں مثلاً سورہ بقرۃ آیت ۱۸۵ "وبینات من الہدی والفرقان" کی تفسیر کے تحت انھوں نے ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن المدنی کو ضعیف قرار دیا ہے جن سے کہ ابو حاتم نے روایت کی ہے۔

خصوصیات

اس تفسیر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ابن کثیرؒ تفسیر ماثور کے اندر مذکور منکرات اسرائیلیات سے بھی متنبہ فرماتے ہیں کبھی تو اجمالی طور پر اور کبھی ان منکرات کی تعیین و بیان کے ساتھ، مثلاً سورہ بقرۃ آیت ۶۷ "ان اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃ ....." کی تفسیر کے تحت رقم طراز ہیں:

اس واقعہ کے سلسلے میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس میں خاص قسم کی گائے کی تلاش کے سلسلے میں عجیب و غریب باتیں بھی گئی ہیں اور بنو اسرائیل کے آباء میں سے ایک نیکوکار کے وجود کا بھی تذکرہ ہے۔

.... پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ تمام باتیں جو عبیدہ، ابو العالیہ اور سدی وغیرہ سے مروی ہیں ان میں شدید اختلافات ہیں اور اغلب یہ ہے کہ وہ کتب بنی اسرائیل سے ماخوذ ہیں اور اس طرح کی چیزوں کا کتب بنی اسرائیل سے نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس کی تکذیب و تصدیق نہیں کی جائے گی اس لئے ان میں سے صرف حق کے موافق باتوں ہی کو قبول کیا جائے گا اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب"

اسی طرح ابن کثیرؒ عام طور سے فقہی مناقشوں اور اختلافات سے بھی بحث کرتے ہیں اور احکامی آیات کے تحت ان کے اقوال، مذاہب اور دلائل کا بھی تذکرہ کرتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ "فمن شهد منكم الشهر فليصمه ......" کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے اس آیت کے متعلق چار مسائل کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے اقوال و دلائل بھی بیان فرمائے ہیں لیکن اس معاملہ میں انھوں نے اعتدال کی راہ اپنائی ہے اور دیگر فقہاء و مفسرین کی طرح بے اعتدالی کے شکار نہیں ہوئے ہیں۔

ان کی عام خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی رقم طراز ہیں کہ:

"حسب موقع نحو و صرف، تجوید و اشتقاق، لغت و عربیت، نقد و کلام، اختلاف قرأت و اعراب، الفاظ کی لغوی تحقیق کے علاوہ ان کے مصادر، تثنیہ، جمع اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت، ترکیبی بحثیں، کلام عرب کے شواہد، اسالیب کلام اور معانی و بلاغت کے اسرار، شان نزول وغیرہ کا تذکرہ، انساب و اعلام قرآن کی تحقیق، مکی و مدنی سورتوں کی تعیین، ان کے فضائل، فقہی مسائل کی شرح و تحقیق اور مختلف مذاہب کے آراء، دقائق اور روایات و آثار کا ذکر، ان کی تنقید اور مختار و مرجح مسلک کا ذکر اور پسندیدہ تفسیر کی نشاندہی، سارے مباحث موجود ہیں۔ (ایضاح القرآن ص...)"

انھیں خصوصیات کی وجہ سے تفاسیر ماثورہ میں اسے ایک ممتاز مقام حاصل ہے بلکہ امام سیوطیؒ نے تو تذکرۃ الحفاظ میں یہ تک کہہ دیا ہے:

"انه لم يؤلف على نمطه مثله کہ اس نوع کی تفسیر اس کے نہ نہیں تالیف کی گئی۔"

مختصر یہ کہ اس تفسیر کو اہل علم کے درمیان کافی شہرت حاصل ہے۔ عام لوگوں میں بھی

مقبول ہے اور کوئی تفسیر سے دلچسپی رکھنے والا کوئی فرد اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔

دستیاب نسخے

اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ ازہریہ میں فن تفسیر نمبر ۱۶۹ پر موجود ہے جو سات جلدوں میں ہے اور ۲۱۹۵ صفحات پر مشتمل ہے البتہ تیسری جلد کے بعض صفحات ضائع ہو گئے ہیں۔ یہ نسخہ دمشق میں قاضی القضاۃ نجم الدین بن حجی (متوفی ۸۳۱ھ) کے لئے لکھا گیا تھا جس کی کتابت ۸۲۵ھ میں مکمل ہوئی تھی جیسا کہ امام سخاوی نے ضوء اللامع میں تذکرہ کیا ہے اور یہ سب سے زیادہ صحیح نسخہ ہے۔ دار الکتب المصریہ میں بھی اس کا ایک دوسرا ناقص نسخہ موجود ہے جس میں غلطیاں بھی زیادہ ہیں اور مکتبہ ازہر کے نسخے کے بالمقابل تفسیری مواد بھی کم ہے۔

یہ مصر میں مطبعہ بولاق سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوئی پھر یہ مطبع المنار سے ۹ جلدوں میں ۱۳۴۳ھ میں تفسیر بغوی کے ساتھ اور الگ سے شائع ہوئی۔ بعد میں مصر کے کئی ایڈیشن دوسرے مکتبوں سے مزید نکلے لیکن ان کے اندر اصل نسخہ کے خلاف بہت ساری غلطیاں تھیں۔ چنانچہ عبد الوہاب عبد اللطیف معاون استاذ جامعہ ازہر مصر نے لکھا ہے کہ الحاج عبد الشکور عبد الفتاح کے توجہ دلانے پر تین غلط صحیح شدہ نسخوں کا موازنہ قدیم نسخوں سے کیا اور اس کی غلطیوں، خامیوں اور تحریفوں کی اصلاح کی۔ اس کے احادیث کی تخریج مکمل کی جن اسباب نزول کا تذکرہ انھوں نے چھوڑ دیا تھا ان کا بھی ذکر کیا اور مبہمات کی وضاحت اور قابل تحقیق امور کی تحقیق کی ہے اور پھر مطبعۃ الفجالۃ الجدیدۃ ۲۸ شارع القویسنی بالظاہر القاہرۃ سے ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء سے ۴ جلدوں میں شائع ہوئی پھر دار الاندلس بیروت سے ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء میں سات جلدوں میں شائع ہوئی اور اب مختلف مکتبات سے بہت سارے ایڈیشن نکل چکے ہیں اور عام طور سے کتابی دنیا میں دستیاب ہے۔

اختصار تفسیر القرآن الکریم

حال میں مصر کے نامور فاضل و محقق احمد محمد شاکر نے "عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیرؒ" کے نام سے اس کا خلاصہ تیار کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات و محاسن کو برقرار رکھتے ہوئے ضعیف احادیث، غیر مستند اسرائیلی روایات، مکرر اقوال اور اسانید اور طویل کلامی مباحث، فقہی فروع اور لغوی لفظی مناقشات کو حذف کر دیا ہے۔

اس اختصار سے مقصود مسلمانوں کی نئی نسل کے لئے اوسط درجہ کی قابل استفادہ تفسیر کی

فرمائی ہے۔ یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جو ۱۹۵۶ تا ۱۹۵۸ء میں دار المعارف مصر سے شائع ہوئی ہے لیکن یہ عام طور سے دستیاب نہیں۔

البتہ محمد علی الصابونی استاذ تفسیر کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکۃ المکرمۃ جامعۃ الملک عبد العزیز نے بھی اس کا اختصار "مختصر تفسیر ابن کثیر" کے نام سے تین جلدوں میں کیا ہے جس کو کہ "دار القرآن الکریم" بیروت نے ۱۳۹۳ھ میں بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے اور جو عام طور سے دستیاب ہے۔

اس اختصار میں موصوف نے درج ذیل امور ملحوظ رکھے ہیں:

۱: طویل سندوں کو حذف کر دیا ہے اور رواۃ حدیث میں سے صرف صحابی کے نام کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور حاشیہ میں ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے جنھوں نے حدیث کی تخریج کی ہے مثلاً بخاری و مسلم۔

۲: تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کے مطابق جہاں جہاں مفسر نے بڑے استشہاد آیات کا تذکرہ کیا ہے تو ضرورت بھر بطور شاہد اسے باقی رکھ کر بقیہ حذف کر دیا ہے کیونکہ مقصود کو سمجھنے کے لئے اشارہ کافی ہے۔

۳: صرف احادیث صحیحہ پر اکتفا کیا ہے۔ ضعیف حدیثوں کو اور ان روایات کو حذف کر دیا ہے جن کی سندیں ثابت نہیں ہیں۔

۴: تفسیر ماثور کے وقت مشہور صحابی کا ذکر کیا ہے جیسے ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ، اور ان کے بھی صرف صحیح تر اقوال کو نقل کیا ہے۔

۵: مشہور تابعین کے صحیح تر، جامع اور راجح اقوال پر اعتماد کیا ہے۔ تمام تابعین کے اقوال کا ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ ان میں سے بعض میں ضعف پایا جاتا ہے۔

۶: اسرائیلی روایات کو حذف کر دیا ہے خواہ مؤلف نے بطور استشہاد ان کا تذکرہ کیا ہو یا ان کا رد کیا ہو کیونکہ تاریخ صحیح کی موجودگی میں اسرائیلی روایات سے استشہاد فضول اور بے سود ہے۔

۷: ان احکام اور فقہی اختلافات کو بھی حذف کر دیا ہے جن کی اس تفسیر میں کوئی ضرورت نہیں اور اس کے صرف ضروری حصے پر جو حشو و زوائد اور طول سے اکتفا کیا ہے۔ • •

ذرائع ابلاغ

یہودیت کے شکنجے میں

بشیم الفارس "مجتمع" کویت۔ تلخیص و ترجمہ: عبد الحمید عبد الرحیم اصلاحی، خادم جامعہ اسلامیہ سلفیہ۔ پٹنہ، بہار

ریڈیو، ٹی وی، سینما، اخبارات اور دوسرے ذرائع نشریات پر یہودیت کا غلبہ و قبضہ دو ایک دن کی بات نہیں بلکہ کئی نسلوں کے مسلسل غور و فکر اور جد و جہد کا نتیجہ ہے جس کے بعد یہود ذرائع ابلاغ پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یہودیوں کی بعض سرکردہ شخصیات نے جمع ہو کر دنیا پر غلبہ کے لئے ایک دستاویز تیار کی تھی جس کا ایک اہم باب ذرائع ابلاغ پر ان کا اقتدار تھا جو درج ذیل ہے:

۱۔ نشر و اشاعت کی تمام قسموں پر ہمارا قبضہ ہونا چاہیے جو انسانی فکر کی ترجمان ہوتی ہے۔

۲۔ ادب و صحافت جو ابلاغ کے اہم ترین ذرائع ہیں، ان پر قبضہ۔

۳۔ دشمنوں کے ہاتھوں میں صحافت کے وسائل نہ رہنے پائیں، اور اگر پائے جائیں تو انھیں اس قدر تنگ کر دیا جائے کہ ہم پر انگشت نمائی کا موقع نہ پا سکیں۔

۴۔ ہماری نظروں سے گزرے بغیر عوام تک کوئی خبر نہ پہونچنے پائے۔

۵۔ صحافت کو ہمارے ہاتھوں میں ہونا چاہیے تاکہ لوگ ہماری مرضی کے مطابق بھڑک اٹھیں اور ہم جب چاہیں وہ خاموش ہو جائیں۔ اس طرح انسانی عقل ہماری گرفت میں ہوگی۔

یہود اپنے اس مشن کی تکمیل میں کامیاب رہے۔ اس وقت سب سے بڑا ٹی وی، سب سے بڑی سینما کمپنی اور چوٹی کے عالمی اخبارات پر یہودی لابی کا مکمل غلبہ و تسلط ہے۔

اس عظیم کامیابی کا سب سے اہم سبب یہی ہے کہ انھوں نے مذکورہ دستاویز کو حرف بحرف نافذ کیا اور اسرائیلی مملکت کے قیام کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اس کے مقابلہ میں عربوں اور دوسرے مسلمانوں نے کیا کیا؟ تو جواب نفی میں ملے گا۔

ذرائع ابلاغ پر یہودی تسلط کی تفصیل

عالمی ٹیلیویژن

امریکہ میں ۱۰۰۰ سے زیادہ ٹی وی چینل ہیں جن میں سے تین نہ صرف امریکہ کے بلکہ دنیا کے عظیم ترین چینل ہیں: CBS - NBC - ABC - یہ سب یہودی لابی کے زیر تصرف ہیں۔

ABC کا صدر لیونارڈ جانسن، ڈائریکٹر جنرل مارٹن روبنشٹائن اور نائب ڈائریکٹر وائنشٹائن ہیں۔ اور یہ تینوں یہودی ہیں۔

CBS کا مالک و صدر روسی الاصل یہودی ولیم پیلی ہے جبکہ اس کا ڈائریکٹر جنرل ریچرڈ سالانٹ بھی یہودی ہی ہے۔

NBC ٹی وی چینل کا صدر فریڈ سلورمین اور ڈائریکٹر جنرل ہربرٹ سیکلوسر ہے۔ یہ دونوں یہودی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ٹیلیویژن کے یہ تینوں اسٹیشن ۲۵ کروڑ امریکیوں اور دوسرے یورپی ممالک کے حقیقی رہنما ہیں۔ امریکی ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کے اس قبضہ سے ہم اس کی خوفناکی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا مناسب ہے کہ وائس آف امریکہ (امریکن ریڈیو) کا جوزف ڈائریکٹر رابرٹ گولڈمین بھی ایک یہودی ہی ہے۔ وہ امریکی وزارت خارجہ اور فورڈ کمپنی میں بھی رہ چکا ہے اور امریکن یہودی کمیٹی کا ممبر ہے۔

یہ ٹیلیویژن کے اسٹیشن یہودی مصالح کی تائید اور فلسطینیوں پر ان کے حقوق کے اثبات میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اسرائیلی خفیہ تحریک کے پیش کردہ پروگرام کو اے بی سی نے نشر کیا تھا۔ این بی سی نے "تورات" کے نام سے مستقل پروگرام دیئے جس میں یہود اور نصاریٰ کے عقائد کو ایک ثابت کیا گیا تھا۔

۱۹۸۲ء میں جب اسرائیل لبنان کے خلاف برسرپیکار تھا تو ان تینوں اسٹیشنوں نے کھل کر اسرائیلی موقف کی تائید کی تھی۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے صدر دفتر واقع تونس پر اسرائیل کے بہیمانہ حملے کی بھی تائید کی گئی تھی۔ امریکہ کے اندر عربوں کے خلاف پیدا کئے گئے جنگ کے ماحول میں بھی امریکی ٹی وی ہی کا ہاتھ تھا جس میں عربوں کو دہشت گرد کے روپ میں پیش کیا گیا۔ امریکی ذرائع ابلاغ کے واسطہ "

پیدا کئے گئے جنگی حالات کے سبب بہت سارے عرب مسلمان تشدد کا نشانہ بنائے گئے۔

یہ سارے اسٹیشن اسلام اور مسلمانوں کی تصویر کشی غلط ڈھنگ سے کرکے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے ایک قسط وار فلم "بادی ان مسٹر" میں ایک کتے کا نام محمدؐ رکھ دیا۔ (نعوذ باللہ)

برطانیہ

یہاں ریڈیو اور ٹیلیویژن کی پالیسی طے کرنے والے یہودی ہیں۔ ریڈیو برطانیہ (بی بی سی لندن) کا سربراہ "اسٹیوارٹ ینگ" ایک یہودی ہے جس نے بارہا اپنی یہودیت پر فخر کیا ہے۔

فرانس

یہاں بھی ٹی وی پر ایسی فلمیں دکھائی گئی ہیں جن کا مرکزی مضمون یہودیت کی بڑائی اور ان کا پروپیگنڈہ تھا۔

ٹی وی پروڈکشن کمپنیاں

یہ کمپنیاں بھی یہودیوں کے زیر تصرف ہیں۔ امریکہ کی سب سے بڑی ٹی وی کمپنی "ویاکوم" میں کارٹون کمپنی "اے" کے یہودی "مناحیم گولڈمین" کا بڑا حصہ ہے۔ برطانیہ میں "گریناڈا کمپنی" کا مالک "سڈنی برنسٹین" نام کا ایک یہودی ہے۔ یہودی لارڈ "لو گریڈ" "اے ٹی وی کمپنی" کا مالک ہے جس نے "شہزادی کی موت" نامی فلم بنا کر شریعت اسلامیہ کے اہم و مقدس قانون حد زنا اور رجم پر چھینٹا کشی کی تھی۔ جس کی ہیروئن مصری اداکارہ "سوسن بدر" تھی اور جس میں اسلام کو ایک وحشی، دہشت زدہ مذہب قرار دیا گیا تھا جہاں عورتوں کو حسب خواہش تکمیل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ ••

بقیہ : یاقوت اور معجم الادباء

اور مطبعہ المرتضویہ نجف میں ۱۳۵۸ میں شائع ہوا۔ یہ تین جلدوں میں تھا۔

اس معجم کے دیکھنے کا طریقہ عام معاجم جیسا ہے۔ طلبہ، اساتذہ، محققین اور مصنفین کیلئے نہایت عمدہ ہے کیونکہ جگہ جگہ مواد فراہم ہے۔ اس کتاب کی روشنی میں شخصیات کی سیرت، ان کی خدمات، ان کے طرز تالیف اور دیگر عمدہ عناوین پر مشتمل مقالات لکھے جاسکتے ہیں۔ ••

تعارف و تبصرہ

مختار افتخار ندوی

سنبل و شبنم

مجموعۂ کلام: مختار احمد عاصی، کتابت و طباعت: دیدہ زیب، ضخامت: ۱۶۰ صفحات،

ناشر: انجمن رسالہ سرخیل، اردو بھون، اسلام پور، مظفرپور۔

سنبل و شبنم کی سرسری ورق گردانی سے بھی اسحابات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ارباب ذوق کی ضیافتِ طبع کا خاطر خواہ سامانِ طرب اس میں موجود ہے۔

عاصی کی شاعری دراصل زندگی کے کرب کا خوب صورت اظہار ہے۔ یوں تو زندگی کے درد و داغ کا یہ تصور ہر شاعر کے یہاں پایا جاتا رہا ہے لیکن یہ تصور جب عاصی کے جذبات میں ڈھل کر ابھرتا ہے تو اس میں انفرادیت کی وہ شانِ جمال پیدا ہو جاتی ہے جو فنکار کے فنی تشخصات و امتیازات سے گزر کر اس کی شخصیت و ذات کی شناخت بن جاتی ہے وہ عاصی نے خود بھی اپنی پہچان شناخت بتائی ہے۔ ع

ہم کو پہچانو ہماری درد کی آواز سے

لیکن درد و غم کے اس اہتمام کے باوجود ان کی شاعری ان کی شخصیت کی خود نگری اور تصادمات و انقلابات کے ساتھ ہزیمت اور شکست و ریخت کی دستاویز میں زندگی کو نئی قبا دینے کا حوصلہ ہے جو ان کے فن و شخصیت کی عظمت کا ایک روشن پہلو ہے۔

اشکوں کی سرزمیں پہ تبسم اگائیے — دل کا جو کچھ بھی حال مگر مسکرائیے

دل میں اک طوفانِ غم ہے اور ہونٹوں پہ ہنسی — عشق کا آغاز ہوتا ہے اسی انداز سے

دل و نگاہ کا عرفان آزما رہے ہیں لوگ — لہو لہان ہیں اور مسکرا رہے ہیں لوگ

زندگی کو سنوارنے کے لئے — مسکرانا بہت ضروری ہے

عاصی کے اس نگار خانۂ فکر و فن میں غزل، نظم، رباعی اور قطعے سبھی ترتیب و زینت کا چراغ روشن کئے ہوئے ہیں لیکن غزل کو نمائندگی حاصل ہے۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

وہ کسی صنف کو نصیب کہاں — جو لطافت غزل میں ہوتی ہے

ان کی غزلوں کے بیشتر اشعار تغزل کا حسین شاہکار ہیں۔ ؎

کوئی دیکھے ہماری بے ثباتی — ہمیں لوٹا کسی کی سادگی نے

اندھیارے پہ کیا گزر رہا ہے کون بتائے سورج کو — کس کا کس کا خون ہوا ہے گھر گھر دیپ جلانے میں

یہ سازش چشم و لب کی ہے یقیناً — ہنسی آئی تو آنسو آ گئے ہیں

سنتے سنتے ثواب کی باتیں — لذتیں بڑھ گئیں گناہوں میں

گنگا جمنا جل خون بہا انسانوں کا — کس منہ سے پاپ دھلیں گے پاپی ساری دنیا ہے

البتہ بعض موقعوں پر ایک ہی غزل کے اشعار میں بلندی و پستی کا غیر معمولی امتیاز طبیعت پہ بہت گراں گزرتا ہے۔ یہ دو شعر ایک ہی غزل کے ہیں، پہلا شعر کس بلا کا ہے ؎

کوئی دیکھے ہماری بے ثباتی — ہمیں لوٹا کسی کی سادگی نے

لیکن اسی کے بعد یہ شعر کتنا بے جان اور بے مزہ ہے

انھیں بھی رکھا ساری عمر بے کل — ستم ڈھایا ہماری بے کلی نے

پھر یہ شعر عاصی کے مرتبہ و مقام سے کتنا فروتر معلوم ہوتا ہے ؎

سچ تو یہ ہے ترے روٹھ جانے کے بعد — زندگی میں مری اک کمی آ گئی

بلندی و پستی کا یہ احساس کہیں کہیں ایک ہی شعر کے دو مصرعوں میں بھی بہت کھٹکتا ہے۔ اس مصرع میں کتنی بلاغت اور تعبیر کی کس قدر قوت و صداقت ہے۔ ؎

آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی ہیں در کی صورت

لیکن اس کا دوسرا مصرع پہلے مصرعے کے تمام حسن کو غارت کر دیتا ہے۔ ؎

انتہا ہے تو آ کے ٹھہر جاؤ نظر کی صورت

بعض مقامات پر فنی روایات سے چشم پوشی بھی اچھی نہیں لگتی۔ حرفِ ندا کے کسی جز کا تقطیع سے گرانا درست نہیں لیکن اس شعر میں حرفِ ندا کی الف ساقط ہو جاتی ہے

کم نگاہوں کی نظر آج نہ پوچھ اے عاصی — فن کے پیچھے رہی فنکار سے آگے رہی بھی

درج ذیل شعر میں تنہا کی تذکیر بھی محل نظر ہے۔

چشمِ ساقی نے مرہم وہ پہلو بدلے　　انتہا بھی کسی انداز سے کرنے نہ دیا

نظمیں ماں، میرا قلم، درد، انجام، نیم کا سفر وغیرہ کامیاب نظمیں ہیں۔ تنی ایجی اور بامقصد نظموں کے پہلو میں "بیگم کی نصیحت" ایک ایسی نظم ہے جو نظموں کے رسے میں قائم شدہ اچھے تاثرات کو زائل کر دیتی ہے۔

مجموعی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مجموعہ قابل قدر و مطالعہ ہے۔ جناب عاصی جو کچھ کہتے ہیں جذبہ کی آنچ سے تپ کر کہتے ہیں اس لئے ان کے اشعار میں دل کو چھو لینے کی قوت و تاثیر ہوتی ہے۔ دراصل یہی وہ چیز ہے جس نے دنیا کی ہر بڑی شاعری کو جنم دیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اس پہلے مجموعۂ کلام میں وہ تمام عناصر سر چھپائے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جن سے بڑی اور اونچی شاعری نے جنم لیا ہے۔ کاش ان کی توصلہ افزائی ہو اور وہ اپنا ادبی سفر جاری رکھ سکیں۔ ••

غزل

عزیز بگھروی

دیکھا تھا خواب ہم نے دلِ بے قرار کیا　　آئی چمن میں لے کے نسیمِ بہار کیا
یہ رہ گزارِ عشق ہے کانٹوں کی سیج ہے　　اس راہ میں تصورِ کیف و قرار کیا
تیرِ ستم قبول، ہر اک زخمِ دل قبول　　آئے تو کوئی سامنے چھپ چھپ کے وار کیا
مردانِ حق نگر کی نظر میں تمام ہیچ　　زنجیر کیا، صلیب کیا، زندان و دار کیا
عہدِ وفا کیا ہے کوئی جرم تو نہیں　　تکتا رہا ہے مجھ کو مرا غمگسار کیا
ہر جسم بے لباس ہے ہر چہرہ بے نقاب　　کیا آنے والے دور کے یہ اشتہار کیا
ان سے عظیم تر ہے کہیں مقصدِ حیات　　فکرِ معاش دکاوشِ عزّ و وقار کیا
آسودگی میں جس کو میسر نہیں سکوں　　بدبخت ایسا ہوگا کوئی دلفگار کیا

ہونٹوں پہ میل جول کے نعرے ہیں پھر عزیز
ذہنوں میں پک رہا ہے کوئی خلفشار کیا

•

اخبارِ علمیہ

ایک تکنیکی ادارہ کا قیام

گجرات کے شاہی شہر بڑودہ میں جلد ہی ایک تعلیمی ادارہ کا افتتاح عمل میں آرہا ہے۔ اس ادارہ میں بنیادی دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ جدید تکنیکی امور کی تدریس کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اسلامی و تکنیکی دینیات پر مشتمل ایک لائبریری بھی قائم کی گئی ہے۔ اس ادارہ میں تقریباً سول میکینکل کورسس کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے جس میں آئندہ مزید اضافہ کی توقع ہے۔

واضح رہے کہ گجرات میں اپنی نوعیت کا یہ واحد ادارہ ہے جس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تکنیکی تعلیم کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس کا تعلیمی سال ۱۵ جولائی سے شروع ہو رہا ہے جس میں ۲۰۰ طلبہ کا داخلہ متوقع ہے۔ طلبہ کے لئے دارالاقامہ کا بھی انتظام ہے نیز مسلمانوں کے تعلیمی و اقتصادی حالات کے پیش نظر کم سے کم تعلیمی مدت اور کم از کم فیس عائد کی گئی ہے۔ توقع ہے کہ مستقبل میں یہ ادارہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بہترین خدمات انجام دے گا۔ (انشاء اللہ)

(بشکریہ "شاہین ویکلی" گجراتی)　ایم دی پٹیل

بنگلہ دیش میں قرآن کی تعلیم کیلئے دو لاکھ مکاتب کا قیام

۷ اگست۔ بنگلہ دیش کے صدر جنرل ارشاد اپنے ملک کی مسجدوں میں قرآن کی تعلیم کے لئے تقریباً دو لاکھ مکاتب قائم کریں گے۔ انھوں نے حال ہی میں اپنے ملک میں اسلام کو سرکاری مذہب کے طور پر نافذ کیا ہے۔ اس فیصلہ پر جا بجا احتجاج، مظاہرے اور ہڑتالیں ہوئیں لیکن اب تک وہ اپنے فیصلہ پر برقرار ہیں۔

نماز جمعہ کے بعد ایک مسجد میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا "ہم ملک میں اسلام کا احیاء چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کو سرکاری مذہب بنایا گیا ہے۔"

انھوں نے اپنے ملک کے تمام اسکولوں میں اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی ہے۔ ان کا

باقی صفحہ ۵۱ پر

حلقۂ یاراں

برادر ولی اللہ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ جون اور جولائی کے شمارے نظر سے گزرے۔ موخر الذکر میرے نزدیک اب تک کا بہترین شمارہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ نسیم ظہیر صاحب اصلاحی کا مقالہ "مولانا حمیدالدین فراہیؒ کے بعض تعبیرات پر اعتراضات کا جائزہ" اور عبیداللہ فہد فلاحی صاحب کا مقالہ "سید قطب شہیدؒ کی قرآنی خدمات" شمارۂ جولائی کو غیر معمولی اہمیت کا حامل بنا دیتے ہیں۔

نسیم صاحب نے صحیح معنوں میں تحقیق وجستجو کا حق ادا کیا ہے۔ آیت کے ٹکڑے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" کا شعائر سے تعلق ذبح کا اثبات اور مروہ کو مقام ذبح قرار دینا صحیح اور واضح ہے۔ قرآن کا ادنیٰ طالب علم بھی اس معنی کو اختیار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نسیم صاحب نے اس نازک اور مختلف فیہ موضوع کو جس انداز سے پیش کیا ہے اور جو دلائل سامنے لائے ہیں وہ قارئین حیات نو اور مضمون نگاروں کے لئے استفادہ کی شے ہے۔ اس مضمون کی دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد اگر رضی الاسلام ندوی صاحب بذریعہ خط "حیات نو" کو دوبارہ اپنے موقف سے آگاہ کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ نسیم صاحب کے مقالہ کو پڑھ کر ان کو خوب داد دینے کو جی چاہا لیکن اس خوف سے کہ کہیں یہ ان کے اجر میں کمی کا باعث نہ بن جائے، اپنے اوپر ضبط کئے ہوئے ہوں۔

ان دونوں مقالات کے علاوہ توقیر عالم صاحب کا مقالہ "ابن قتیبہ تیسری صدی ہجری کا متکلم اسلام" (دونوں قسطیں) بنظر غائر پڑھا۔ دوران مطالعہ کہیں کہیں عبارت گنجلک اور اردو سے ہٹی ہوئی نظر آئی بلکہ مجھے اس مقالہ میں کچھ تکلف نظر آیا مثلاً یہ عبارتیں:

"بڑی کدوکاوش سے اپنے کاسۂ علمی کو پُر کیا"

"اختلاف واعتراض، ابن قتیبہ کے صالح جذبات اور گرانقدر خدمات کو داغدار نہیں کرتا" وغیرہ

بایں ہمہ مضمون مواد سے پر اور وقیع ہے اور بڑی محنت سے تیار کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ابن قتیبہ کی خدمات اور ان پر اعتراضات کا جائزہ خوب ہے۔

ان مضامین کے علاوہ شمارۂ جون میں عبدالبر اثری صاحب فلاحی کا مضمون "سیرت نبویؐ۔ اپنوں کی جہالت، اغیار کی عداوت" بھی فکر انگیز ہے۔ اسلام دشمنی کے نتیجے میں اغیار نے جو بیہودہ الزامات حضرت محمد مصطفیٰ صلعم پر لگائے ہیں ان کے مکمل اور تشفی بخش جوابات (اسلام اور مستشرقین، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن) میں موجود ہیں۔ مضمون نگار صاحب کو اس کا حوالہ دینا چاہئے تھا۔

مضمون کے عنوان کا ٹکڑا "اپنوں کی جہالت" محل اعتراض ہے۔ کیا منکرین حدیث، قادیانیوں، اہل تصوف، شیعوں اور بدعتیوں کو "اپنوں" کہا جاسکتا ہے۔ کم از کم منکرین حدیث، قادیانیوں اور بدعتیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اہل تصوف اور شیعہ کے بعض فرقوں کو علماء نے اپنوں میں گردانا ہے۔

اس کے علاوہ مضمون میں اردو کی ایک بہت فاش غلطی کی گئی ہے، وہ ہے: "جھوٹا دعوائے نبوت"۔ محمدؐ کو مدعی نبوت نہیں کہا گیا ہے کہ ان کے بعد جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ان کے لئے جھوٹا دعوائے نبوت استعمال کیا جائے۔ اسی سطر میں "فی زمانہ" کا استعمال بھی غلط ہے اس لئے کہ مضمون نگار کی اس سے مراد "آج کے دور میں" ہے جس کے لئے عربی زبان میں "فی زمانہ" صحیح نہیں ہے بلکہ "فی ہذا الزمان" صحیح ہے۔ بقیہ حالات لائق شکر ہیں۔ والسلام

ابونافع ۔ ۱۴؍جولائی ۱۹۸۸ء

مکرمی! سلام مسنون

خدا کرے اچھے ہوں۔ آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ آپ کی محبتوں کا بہت بہت شکریہ۔ خداوند قدوس سے دعا ہے کہ وہ آپ کو آپ کے رسالے کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

آپ کا پرچہ ہندوستان میں تو پڑھا ہی جاتا ہے اب پاکستان میں بھی معروف ہوچکا ہے۔ کئی جگہوں پر دیکھا۔ ہمدرد میں تو لوگ اس کے رسیا ہیں۔ خدا کرے آپ کے رسالہ کا معیار خوب سے خوب تر ہو۔ اگر آپ سے ممکن ہو تو ہمارے رسالہ "علوم القرآن" پر ایک تبصرہ لکھ دیں۔

نیا پرچہ ملا ہوگا۔ یہ رسالہ مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح دونوں کا ہی ترجمان ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ دونوں ہی ادارے، دونوں ہی رسالے فکر فراہی کو آگے بڑھائیں۔

میرے دوست! نیا شمارہ اچھا ہے۔ میرے کلاس فیلو اچھے دوست تسنیم صاحب کا مضمون پسند آیا۔ انھوں نے صفا و مروہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہی نظریہ علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بھی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے ذبیح، مکہ اور اسماعیلؑ عرب آئے کہ نہیں؟ ان موضوعات سے متعلق جو کچھ سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے وہ سب کا سب مواد مولانا فراہیؒ نے انھیں فراہم کیا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی موضوعات ہیں، جن پر مولانا فراہیؒ سے علامہ نے استفسار چاہا، یہ سب باتیں "مکاتیب شبلیؒ" میں مل جائیں گی۔ مکاتیب میں علامہ نے لکھا ہے کہ "تمہارے قربانی کے مضمون سے خوب فائدہ اٹھا رہا ہوں"۔ اس کے علاوہ انھوں نے شعر العجم میں بھی فراہیؒ سے رجوع کیا ہے۔ مکاتیب فراہیؒ شائع ہوکر منظر عام پر آجائیں تو یہ بات ہو جائے کہ علامہ شبلی نے اپنے شاگرد رشید سے کہاں کہاں استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنے آخری وقت میں بھی فرمایا تھا کہ تمہارے علاوہ "سیرۃ النبیؐ" اور دار المصنفین کو کون چلا سکتا ہے۔ یہ بات وضاحت کے ساتھ "حیات شبلیؒ" میں مل جائے گی۔ سید صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ کی بقیہ جلدوں میں جگہ جگہ استفادہ کیا ہے۔ دار المصنفین کے پہلے صدر مولانا فراہیؒ تھے، تمام کام انھی کی زیر نگرانی چلتا تھا۔ اس وقت ایک مضمون "مکاتیب شبلیؒ کے آئینہ میں مولانا فراہیؒ" زیر ترتیب ہے لیکن ریسرچ کا کام دوسری طرف جھانکنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی خواہش کا خیال رہے گا۔ کوئی نیا مضمون ہوا تو بھیج کر حاضر ہوں گا۔ بروقت "گمنام شاعر" ہی کو شائع کرکے عنایت کریں۔ خلوص بیکراں کا منتظر۔ "حیات نو" پہلے سے بہتر ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رہے۔

والسلام

ابو سفیان اصلاحی علی گڑھ
۱۵؍ اگست ۱۹۸۸ء

جناب ولی اللہ مجیدی صاحب و نور محمد فلاحی صاحب! السلام علیکم

ننھے بچے قوم کی روح رواں اور قوم کی جان ہیں۔ اچھے بچوں کے بن جانے سے پوری قوم بنتی ہے۔ ایک چنگاری آگ روشن کر سکتی ہے تو کیا ایک ننھی بچی اپنے ماحول کو روشن نہیں کر سکتی۔

چاہے تو اندھیرے کو اجالے میں بدل دے، اس درجہ مکمل ہے میرے قوم کی عورت۔ ننھی بچیوں اور عورتوں میں کام کے اصول و اہمیت اداریہ میں رہنما مضامین دیکھئے، دیجیے؟ بچوں کی تربیت پر خاص طور سے گائیڈ لائن دیجیے۔ مربی خود تربیت کا محتاج ہے برائے کرم اداریہ میں اور مضامین میں رہنمائی کیجیے تاکہ ان خاص طور سے ننھے بچوں کی روزانہ تربیت کریں۔

لہٰذا اساتذہ، عدیم الفرصت سرپرستوں، معمر تجربہ کار بوڑھوں کو بھی اداریہ اور رہنما مضامین کے ذریعہ بیدار کیجیے۔

مجھ کو اس دور کے بچوں کا بدلتا ہے مزاج — یہ تراشے ہوئے پیرے نہیں اچھے لگتے

خادم: محمد ہندی ۲۰؍ جولائی ۱۹۸۸ء

بقیہ: اخبار علمیہ

کہتا ہے کہ قرآن اسلام کا صحیح تصور پیش کرتا ہے اور قرآن کی تعلیم انشاء اللہ ہر طرح کی بد نظمی اور بے عنوانی کے خاتمہ کا سبب بنے گی۔ انھوں نے اپنے ملک کے عوام کے سامنے یہ واضح کر دیا کہ بنگلہ دیش ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ اب اسے کسی بیرونی سازش اور خارجی فتنہ کا خوف نہیں۔ ان کے نزدیک یہ آزادی اور سکون و اطمینان اسلام کی رہین منت ہے۔

(بشکریہ "قومی آواز" لکھنؤ) عبد الحمید بستوی

جامعہ کے لیل و نہار

جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم (صدر پاکستان) کی غائبانہ نماز جنازہ

۱۷ اگست کی شام یہ خبر بجلی بن کر گری کہ صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی اسلامی خدمات کسی سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ ثم آمین۔

جامعۃ الفلاح میں ۱۸ اگست کو بعد نماز عصر مسجد میں استاذ محترم جناب مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی نے آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ منتہی درجات کے طلبہ نے ۱۸ اگست کو ایک تعزیتی نشست رکھی جس میں جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی خدمات و محاسن کا ذکر کرتے ہوئے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی۔

اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے ساتھ انتقال کرنے والے دیگر افراد کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

جناب مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی (ناظم اعلیٰ جامعۃ الفلاح) کی اہلیہ محترمہ کا انتقال

جناب مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی کی اہلیہ محترمہ طویل علالت کے بعد ۱۵ اگست کی شب میں دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم و صلوٰۃ کی پابند، نہایت صابر و شاکر خاتون تھیں۔ بچوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی تربیت آپ نے بہت اچھے ڈھنگ سے کی اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے۔ آمین۔

مرحومہ کے جنازہ میں شرکت کے لئے صدر محترم جناب مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی کی

قیادت میں اساتذہ و کارکنان جامعہ اور منتہی درجات کے طلبہ کا ایک وفد مولانا کے وطن پھولپور حاضر ہوا۔ طلبہ کی اکثریت مرحومہ کے جنازہ میں شرکت کی خواہش کے باوجود بس میں جگہ کی تنگی کی بنا پر شریک جنازہ نہ ہو سکے۔ بعد نماز ظہر جامعہ میں مقیم طلبہ نے مرحومہ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ استاذ محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی نے نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جناب جاوید اشرف صاحب فلاحی نے اپنے ایک تعزیتی خط بنام جناب مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی میں کہا ہے کہ انجمن مولانا اور ان کے اہل کے غم میں برابر کی شریک ہے۔ یہ حادثہ تنہا ان کا حادثہ نہیں بلکہ ہم تمام لوگوں کے لئے ایک تکلیف دہ حادثہ ہے۔ آپ نے مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت سے نوازے اور مرحومہ کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب ڈاکٹر منظور عالم صاحب کا طلبہ سے خطاب

جناب ڈاکٹر منظور عالم صاحب ۷ جولائی ۱۹۸۸ء کو جامعہ تشریف لائے۔ آپ اس وقت انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کے تحت تعلیم اور نصاب تعلیم وغیرہ مسائل پر کام کر رہے ہیں۔ آپ کا جامعہ تشریف لانا انھیں مقاصد کے پیش نظر تھا۔

۱۷ جولائی ۱۹۸۸ء کو بعد نماز عشاء آپ نے طلبہ سے خطاب کیا جس میں آپ نے طلبہ کے سامنے کچھ سوالات رکھتے ہوئے انھیں دعوت غور و فکر دی اور کہا کہ آپ کو یہاں جو موقع ملا ہے اس کی قدر کرتے ہوئے ٹھوس علم حاصل کریں، اور علوم قدیمہ کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ میں بھی مہارت پیدا کریں تاکہ آپ موجودہ صورت حال کا مقابلہ کرتے ہوئے جدید انداز میں دین کی دعوت لوگوں تک پہنچا سکیں۔ آپ کی گفتگو کے بعد طلبہ نے آپ سے کچھ سوالات بھی کئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کو ان کے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور ہم تمام کو علم کی دولت سے مالامال کرے تاکہ ہم دین کی خدمت بااحسن طریق انجام دے سکیں۔ آمین۔

جامعہ میں نئے اساتذہ کا تقرر

جامعہ میں طلبہ وطالبات کی غیر معمولی تعداد کے اضافے کی بنا پر جملہ شعبہ جات میں اساتذہ کی ضرورت تھی۔ ۱۳ر جولائی کو اساتذہ کا انٹرویو ہوا جس میں مندرجہ ذیل اساتذہ کا تقرر عمل آیا۔

شعبۂ طلبہ

جناب عبد البر اثری صاحب فلاحی، جناب مشتاق احمد صاحب فلاحی، جناب حافظ عطاء اللہ صاحب، جناب حبیب احمد صاحب، جناب محمد شاہد صاحب اور جناب محمد اشہد صاحب کا بحیثیت استاذ تقرر ہوا۔

شعبۂ طالبات

فرخندہ فلاحی صاحبہ، مراعد فلاحی صاحبہ، تبسم افروز فلاحی صاحبہ، نکہت بانو صاحبہ، سلمٰی بانو فلاحی صاحبہ، نسیمہ جہاں صاحبہ، شہناز بانو فلاحی صاحبہ، نزہت بانو فلاحی صاحبہ، فرحت فاطمہ صاحبہ، رافعہ بانو صاحبہ، اور شگفتہ بانو فلاحی صاحبہ کا تقرر بحیثیت معلمات اور بشریٰ بانو فلاحی کا تقرر برائے امور خانہ داری عمل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق دے۔ آمین۔

ایک افسوسناک حادثہ

یہ خبر ہم تمام کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے کہ برادر عزیز شمیم اختر بن جناب فرید الدین صاحب فلاحی (غیر پوٹہ) کا ۱۶ر اگست بروز سنیچر کو بجلی کے ایک تار کی زد میں آنے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم کی عمر ۱۴ سال تھی اور جامعہ کے شعبۂ ثانوی کے درجہ ششم میں زیر تعلیم تھے۔ صدر محترم جناب مولانا عبد الحسیب صاحب نے اپنے اور جملہ کارکنانِ جامعہ کی طرف سے شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اہل خانہ کے لئے صبر جمیل کی دعا فرمائی ہے۔

سکریٹری انجمن طلبہ قدیم جناب جاوید اشرف فلاحی صاحب نے جناب فرید الدین صاحب مقیم حال ریاض کے نام اپنے ایک تعزیتی خط میں انجمن کی جانب سے مرحوم کے انتقال پر شدید تکلیف کا اظہار کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے، جناب فرید صاحب کو اس شدید غم کو جھیل لے جانے کی توفیق عطا کرے اور جملہ اہل خانہ کو صبر کی توفیق دے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۵ر اگست "یوم آزادی" کی مناسبت سے طلبہ کا پروگرام

۱۵ر اگست کو ۸ تا ۱۱ بجے دن میں طلبہ کا پروگرام متعین تھا۔ طلبہ تیاریوں میں مصروف تھے کہ اچانک جناب مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب کی اہلیہ محترمہ کی خبر وفات جامعہ پہنچی اور بروقت یہ پروگرام ملتوی کر دیا گیا۔ ۱۵ر اگست کو بعد نماز عشاء یہ پروگرام مسجد میں رکھا گیا جس میں یوم آزادی اور تاریخ کا ہندوستان، یوم آزادی اور ہندوستانی مسلمان جیسے موضوعات پر طلبہ نے اظہار خیال کیا۔ یہ پروگرام رات کے پونے ۱۲ بجے تک چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ملک ہندوستان میں اسلام کو سربلند کرے تاکہ یہاں امن وسکون قائم ہو سکے۔ آمین۔

جامعہ کی مجلس انتظامیہ کا اجلاس

۱۱ر اگست کو جامعہ کی انتظامیہ کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں ارکان کی اکثریت شریک ہوئی۔ انجمن طلبہ قدیم کے دو نمائندے ارکان مجلس انتظامیہ جناب نسیم غازی صاحب فلاحی اپنی اہلیہ کی علالت کے باعث اور جناب مولانا شبیر احمد صاحب فلاحی اپنی بیماری کے باعث شریک اجلاس نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو شفاءِ کاملہ عاجلہ عطا فرمائے آمین۔ اور اللہ تعالیٰ جامعہ کو مزید ترقی و استحکام عطا فرمائے۔ آمین۔

عمر آباد میں مدینہ کی جانب سے منعقدہ تدریبی کورس سے فراغت کے بعد جامعہ کے شرکاء بخیریت واپس

اس سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی جانب سے تدریبی کورس جامعہ دار السلام عمر آباد میں منعقد ہوا۔ جامعہ سے بھی تین افراد نے شرکت کی۔ بحمد اللہ تینوں حضرات کے نتائج نہایت عمدہ رہے۔

جناب انیس احمد صاحب ممتاز II پوزیشن، جناب فیاض احمد صاحب اعظمی ممتاز III پوزیشن

دوم جناب علی مرتضیٰ صاحب I ڈویژن (جناب علی مرتضیٰ صاحب وہاں طلباء چل رہے تھے) تدریسی کورس میں جامعہ اسلامیہ کی جانب سے آنے والے اساتذہ نے جامعہ کے شرکاء کی بے حد تعریف کی، ان کو دعائیں دیں اور جامعۃ الفلاح کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ واضح رہے کہ جامعہ اسلامیہ کی جانب سے ہونے والے پہلے تدریسی کورس میں جامعہ کے طالب علم نے I پوزیشن حاصل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کو مزید ترقی و استحکام بخشے۔ آمین، ثم آمین۔ ●●

قرآن

دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس نے نوعِ انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدل ڈالا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ پھر یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ چودہ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے اور روز بروز ان کے یہ اثرات پھیلتے جا رہے ہیں ——— (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)